جلد بست و نہم ۲۹ | ماہ ذی قعدہ ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۲ء | عدد ۴

مضامین

لوگ یہ سمجھتے ہین کہ جو آج ممکن ہی، وہ ہمیشہ ممکن تھا، اور جو آج محال ہی، وہ ہمیشہ محال تھا، اور رہیگا، حالانکہ یہ تمامتر غلط ہی، کل یہ محال سمجھا جاتا تھا کہ سینکڑون میل کی دُوری سے کسی کی آواز سُن لیجائے، یا اُس کی صورت دیکھ لیجائے، مگر یہ محال آج نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ ہے، پھر ہم آج جس کو محال کہہ رہے ہین، کیا اعتبار کہ وہ کل بھی محال باقی رہیگا، پھر اپنے کسی دعویٰ کی صداقت اور کسی دوسرے کے قول کے بطلان پر ممکن ومحال کہکر استدلال کرنا، اور اس امکان واستحالہ پر اس وثوق سے گفتگو کرنا آیا ہمارے علم کا ثبوت ہی، یا جہالت کا؟

ہم ہر دعویٰ کے انکار وتردید مین نہایت آسانی، مگر پورے یقین کیساتھ یہ کہہ گذرتے ہین، کہ یہ "خلافِ عقل" ہے، لیکن یہ کہتے وقت ذہن مین خلافِ عقل سے مقصود اپنی عقل کے خلاف ہوتا ہے، اور دعوے کا ابطال اس پر موقوف ہی کہ وہ ہر فردِ انسان کی عقل کے خلاف ہو، اور ایسا ثابت کرنا آسان نہین ہی، پھر کیا یہ انسان کی حماقت نہین ہی، کہ جو بات اُس کے پیمانۂ عقل مین نہ سما سکے، اسکی نسبت یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ وہ تمام دنیا کے معیارِ عقل سے باہر ہے،

جب تمھارا مخاطب یہ کہتا ہے کہ فلان بات خلافِ عقل ہی، تو تم نہایت آسانی سے یہ اُس سے پوچھ سکتے ہو کہ یہ کسکی عقل کے خلاف ہے، اگر کسی ایک فردِ انسان یا ایک محدود جماعتِ انسان کی عقل کے خلاف ہو تو ہو، اس سے یہ کہان لازم آتا ہے کہ وہ حقیقت مین خلافِ عقل ہے، یا کل افرادِ انسان کی عقلون کے خلاف ہی، اور جب تک یہ ثابت نہ ہو، دعویٰ کا انکار وابطال محال ہے،

شاید کہ ایسے پرغرور غلط "عقلاے زمانہ" یہ سمجھتے ہون کہ جو بات ایک کی عقل مین نہ سما سکے، وہ کسی کی عقل مین بھی نہین سما سکتی، گویا کہ اُن کے نزدیک عقل ایک ایسا معیار ہے، جو ہر انسان کے قبضہ مین برابر ہے، حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ہر انسان یکسان ارسطو بو علی سینا اور رازی ہوتا مگر ایسا کہان ہی، ایک احمق انسان جسکو محال جانتا ہے، عاقل انسان اس کو ممکن سمجھتا ہے، اور اُس سے عاقل تر انسان اس ممکن کو واقعہ بنا دینے پر قدرت رکھتا ہی، غرض عقل انسانی کا کوئی ایک معیار نہین، بلکہ اس کے سیکڑون ہزارون، بلکہ لاکھون مراتب اور مدارج ہین، اور ایک دوسرے سے عاقل اور اس سے بھی عاقل تر لوگ موجود ہین، اسی نکتہ کو قرآن پاک نے ان مختصر لفظون مین ادا کیا ہے، کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ، (ہر جاننے والے کے اوپر ایک جاننے والا ہے) یعنی ہر عالم کے اوپر ایک عالم، اور ایک عاقل کے اوپر دوسرا عاقل ہی، اس لیے کوئی ایسی چیز جو متفقاً تمام عقول انسانی کے نزدیک قطعاً محال ہو، چند منطقی باتون سے زیادہ نہین، باقی آپ جن جن کو جلدی سے محال عقلی کہہ بیٹھتے ہین، یا تو وہ سرے سے محال ہی نہین، یا زیادہ سے زیادہ یہ وہ محال ہین جنکو اصطلاح مین محالِ عادی (عادۃً محال) کہتے ہین،

یہ بات کہ ہر انسان مین عقل کا معیار و مرتبہ متفاوت اور دوسرے سے مختلف اور کم و بیش ہی، بدیہی ہے، اور ہر شخص اسکو جانتا اور مانتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک شخص ایک مسئلہ نہایت آسانی سے سمجھ جاتا ہے، اور دوسرا سمجھانے سے بھی نہین سمجھتا، ایک وہ ہین جو عجیب سے عجیب آلات ایجاد و اختراع کرتے ہین، دوسرے وہ ہین جو اُن آلات کو دیکھکر بھی اُن کو کام مین نہین لا سکتے، پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ جو بات ایک کی عقل مین نہ سما سکتی ہو وہ اسکو ایسا محال تصور کرے، کہ اس کی بنا پر بڑے سے بڑا اور دانا سے دانا انسان کی تکذیب کی جاہلانہ جرأت کرتا ہے، اور اس کا نام **علم** رکھتا ہی،

اس سے بھی آگے بڑھیے، نہ یہ کہ عقول انسانی، تمام افراد انسانی مین متفاوت ہین، بلکہ ہر شخص کی عقل، اسکی

مختلف عمرون مین بھی یکسان نہین رہتی، اور اسکی ہر عمر مین ممکن و محال، اور مخالف عقل و موافقِ عقل کا معیار بدلتا رہتا ہے، ایک کمسن بچہ کتنے واقعی ممکنات کو محالات، اور کتنے واقعی محالات کو ممکنات مین سے جانتا ہے، اور ان کے لیے روتا ہے اور ضد کرتا ہے، مگر جیسے جیسے اسکی عمر آگے بڑھتی ہی، تجربے بدلتے ہین، اور معلومات بڑھتے ہین، اس کے ممکن و محال اور عقل کے مخالف و موافق ہونے کے معیار بھی بدلتے رہتے ہین، پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی انسان کی کس عمر کے معیارِ عقل کا فیصلہ قطعی طور سے حق سمجھا جائے،

اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ ہر انسان کی ذہنی کیفیت ہمیشہ یکسان نہین رہتی، ایک وقت جو ملحد ہے وہ دوسرے وقت دیندار خداپرست ہوسکتا ہے، ایک شخص جو آج صرف فطرت اور نیچر کو کارفرما سمجھتا ہے، کل وہ وہم پرست بنکر ہر چیز کو فاعل و مؤثر یقین کرنے لگتا ہے، کتنے ملحد ہین جو کل ہر چیز کا انکار کرتے تھے، اور آج وہ کسی وجہ سے ایسے بدلے کہ قبرون کو جھک جھک کر سجدے کرتے ہین، اور انسانون کو خدا کا مرتبہ دینے لگتے ہین، کل دولتمندی کے غرور مین جو کچھ نظر آتا تھا آج فقر و افلاس کے آئینہ مین اُن کو پہلے کے بالکل برخلاف نظر آیا، ایک سیاسی جو کنسرو بنکر کل تک جو کچھ سمجھتا تھا آج لبرل بنکر وہ اس کے تمامتر خلاف سمجھتا ہے، اور کل ممکن ہو کہ وہ لیبر بنکر کچھ اور سمجھنے لگے غرض ہر انسان کے انکار و تیقن کا معیار، ہر ماحول مین، ہر ذہنی کیفیت مین، ہر اختلاف عمر مین ہمیشہ بدلتا، اور متغیر ہوتا رہتا ہے، ایک شخص کو کل جو بات محال معلوم ہوتی تھی، وہ آج ممکن معلوم ہوتی ہے، کل جو قبیح نظر آتی تھی وہ آج اسکی نگاہ مین سراسر مستحسن ہو؟ پھر کیا یہ ایسا متغیر اور دم بدم بدلنے والا معیار، ناقابلِ زوال وثوق و یقین کی بنیاد بن سکتا ہو، فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ،

مقالات

رُباعی

"حسبِ ذیل مضمون رُباعی کی تاریخ و آغاز پر رُباعیات خیّام کے تعلق سے سپردِ قلم کیا گیا تھا اور جسکو گذشتہ شعبان ۱۳۵۰ھ کی مسلم اکاڈیمی منعقدہ فرنگی محل لکھنؤ مین پڑھکر سنایا گیا تھا"۔

"سلیمان"

فارسی کے اصنافِ سخن مین رباعی گو چار مصرعون کی مختصر نظم ہوتی ہے، مگر اس کوزہ مین سمندر بند ہوتا ہے بڑا سے بڑا فلسفیانہ خیال، دقیق سے دقیق اخلاقی نکتہ، اور پیچیدہ سے پیچیدہ صوفیانہ مسئلہ جو صفحون اور دفترون مین نہین سماتا ان دو سطرون مین پورا کا پورا ادا ہو جاتا ہے،

وجہِ تسمیہ رُباعی عربی زبان کا لفظ ہے، جسکے معنی "چار والے" کے ہین، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ چونکہ یہ چار مصرعون سے مرکب ہوتا ہے اسلئے اسکو رباعی کہتے ہین، لیکن محمد بن قیس رازی نے جو سعدی کے معاصر ہین، معجم فی معاییر اشعار العجم (صفحہ ۹۰) مین یہ لکھا ہے کہ اہلِ عرب اسکو رباعی اسلئے کہتے ہین کہ بحرِ ہزج جس مین رباعی کہی جاتی ہے، چار اجزاء سے مرکب ہوتا ہے، اور اسلئے اسکا ایک مصرعہ عربی مین دو دو جزء کا ایک شعر ہو جاتا ہے، اور اس طرح چار مصرعون مین چار شعر ہو جاتے ہین لیکن دولت شاہ کا بیان اس وجہ تسمیہ کی نسبت وہی ہے جو عام خیال ہے یعنی یہ کہ "تا فضلا رلفظ دو بیتی رانکو ندیدند، گفتند کہ این چہار مصراعے است رباعی می شاید گفتن"۔

رباعی کے دوسرے نام | رباعی کا ابتدائی نام دوبیتی ہی، کہ یہ دو ہم قافیہ بیتون سے مرکب ہوتی ہے، اور عجیب بات ہے کہ عربی مین اسکو دوبیتی ہی آجتک کہتے ہین، اور رباعی جو عربی نام تھا، اوس نے زبان عجم مین فروغ پایا، صاحب معجم نے ذرا ذرا سے فرق سے اسکے حسب ذیل نام بتائے ہین،

قول:۔ "ہرچہ ازان جنس برابیات تازی (عربی) سازند، آنرا قول خوانند"

غزل:۔ "وہرچہ بر مقطعات پارسی باشد آن را غزل خوانند"

ترانہ:۔ "اہل دانش ملحونات این وزن را ترانہ نام کردند"

دوبیتی:۔ "شعر مجرد آنرا دوبیتی خوانند، از برائے آنکہ بناء آن بر دو بیت بیش نیست"

رباعی:۔ "مستعریہ آنرا رباعی خوانند، از بہر آنکہ بحر ہزج در اشعار عرب مربع الاجزاء آمدہ است پس ہر بیت ازین وزن دو بیت عربی باشد"[1]

محمد بن قیس رازی کی تصریح کے مطابق اس کا پہلا نام ترانہ[2] رکھا گیا، اور دوسرے نام بعد کو رکھے گئے ہین، لیکن دولت شاہ کا بیان ہے کہ پہلے اوس کا نام دوبیتی رکھا گیا، پھر رباعی[3]، دوبیت یا دوبیتی کا لفظ تو عربی مین ہمیشہ کے لئے رہ گیا[4] مگر فارسی مین چھٹی صدی تک اس لفظ کا استعمال رباعی کی جگہ نمایان نظر آتا ہے، محمد بن علی راوندی نے راحۃ الصدور (۵۹۹ھ) مین ہر جگہ دوبیتی لکھا ہے، انوری نے سلطان سنجر کی مدح مین جو رباعیان لکھی ہین، اون کو بھی دوبیتی کہا ہے[5]، لیکن یہ صحیح نہین ہے کہ قدما عربی مین رباعی کو صرف دوبیتی کہتے تھے، رباعی نہین کہتے تھے، بلکہ رباعی بھی کہتے تھے، چنانچہ نشوار المحاضرہ مین جو چوتھی صدی کے وسط کی مستند عربی تصنیف ہے، "رباعیات" کا لفظ موجود ہے، جیسا کہ آگے آئے گا، باخرزی المتوفی ۴۶۷ھ نے بھی خریدۃ القصر مین رباعیات کا لفظ استعمال کیا ہے[6]،

---

[1] معجم فی معاییر اشعار العجم ص ۹۰ [2] گب [3] تذکرہ دولت شاہ ص ۳۰ [4] گب [5] ابن خلکان [6] راحۃ الصدور راوندی ص ۲۰۲ (گب) [7] ص ۱۰۴ ،

رباعی کی ایجاد رباعی کی ایجاد کی تاریخ نہایت مبہم ہے، مگر یہ مسلّم ہے کہ بحر ہزج کا یہ وزن پہلے مستعمل نہ تھا، اور بعد کو رواج پایا ہی، اسکی ایجاد کی صورت اہل ادب یہ بیان کرتے ہین کہ ایک دفعہ چند لڑکے گولی کھیل رہے تھے، ایک گولی لڑھکتی ہوئی سوراخ کے پاس آئی، اس پر خوشی کے عالم مین ایک لڑکے کے منہ سے بیساختہ یہ نکلا کہ:-

غلتان غلتان ہمی رود تا بن گو،[۱]

شعراء نے اس وزن کو بحر ہزج کی ایک قسم پاکر اس کو قبول کیا، اور تین مصرع اور لگا کر اسکو چو مصرع کر دیا،

یہ تو رباعی کی ایجاد کے متعلق قدر مشترک تھا، مگر ایجاد رباعی کے متعلق ہمارے سامنے دو مختلف روایتین ہین، ایک تو دولت شاہ سمرقندی (تالیف ۸۹۲ھ) کی جس کا بیان ہے کہ یہ بچہ صفاریہ خاندان کے بانی یعقوب صفار المتوفی ۲۶۵ھ کا لڑکا تھا، اور خود یعقوب صفار کھڑا اپنے بچے کے کھیل کا تماشا دیکھ رہا تھا، کہ دفعۃً بچہ کی زبان سے یہ برجستہ مصرع نکلا یعقوب کو یہ وزن پسند آیا، لیکن چونکہ اوس وقت تک یہ وزن مستعمل نہ تھا، اسلئے ابو دلف عجلی اور ابن الکعب جو دربار کے شعراء تھے اون کو بلوا کر پوچھا کہ یہ کون بحر ہے؟ انھون نے تحقیق کرکے بتایا کہ یہ بحر ہزج کی ایک قسم ہے، اور اس پر اسی وزن کے تین اور مصرع لگا کر دو شعر پورے کر دئے، اور دوبیتی اوس کا نام رکھا،[۲]

لیکن اس سے متقدم تصنیف معجم فی معاییر اشعار العجم کے مصنف نے بڑی عبارت آرائی کے ساتھ اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ چند حسین و خوشرو بچے سڑک پر گولی کھیل رہے تھے، تماشائیون کا ہجوم تھا، انھین مین ایک طرف ایک شاعر بھی کھڑا تھا، جو غالباً رودکی تھا، کہ دفعۃً ایک بچہ کی زبان سے یہ موزون مصرع نکلا، شاعر کو یہ وزن بہت پسند آیا اور اُس نے تین مصرع اور لگا کر دوبیتی کر دیا،

رباعی کی تاریخ صورت واقعہ کچھ بھی ہو، اور وہ شاعر کوئی بھی ہو، مگر دونون روایتون کا تاریخی نتیجہ یکسان ہی یعنی یہ کہ یہ تیسری صدی ہجری کے آخر کا واقعہ ہی، کیونکہ یعقوب نے ۲۶۵ھ مین اور رودکی نے بروایتِ عام ۳۰۴ھ مین وفات

---

[۱] یہ متن معجم کی روایت کے مطابق ہے، دولت شاہ مین "لب گو" ہے، متاخرین نے اس کو "سر کو" کر دیا ہے، [۲] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی ص ۳۰، گب

پائی ہے، اس بنا پر تیسری صدی ہجری کے اواخر مین رباعی کی صنف پیدا ہوئی،

رباعی گو صوفیہ بلکہ شعرا کے ضمن مین تذکرون مین سب سے پہلا نام حضرت بایزید بسطامی المتوفی ۲۳۴ھ کا ملتا ہے، چنانچہ مجمع الفصحا مین یہ تین رُباعیان اون کے نام سے ہین، (جلد اول ص ۶۵ ایران)

اے عشق تو کشتہ عارف و عامی را سودائے تو گم کردہ نکو نامی را

ذوق لب میگون تو آورد برون از صومعہ بایزید بسطامی را،

ما را ہمہ رہ بکوئی بدنامی باد وز سوختگان نصیب ما خامی باد

ناکامی ما چو ہست کام دل دوست کام دل ما ہمیشہ ناکامی باد

گر قرب خدا می طلبی دلجو باش واندر پس و پیش خلق نیکو باش

خواہی کہ چو صبح صادق الوعد شوی خورشید صفت با ہمہ کس یکرو باش

لیکن زبان کی صفائی، اور رباعی کا وزن جو تیسری صدی کے خاتمہ تک غیر معروف تھا، اس نسبت کی صحت مین شک پیدا کرتا ہے، اور اس شک کی تائید والہ داغستانی[2] کے بیان سے ہوتی ہے، معلوم ہوتا ہے، کہ صاحب مجمع الفصحا، نے یہ رباعیات تقی اوحدی سے نقل کی ہین، اور اسکی نسبت والہ داغستانی نے ریاض الشعرا مین حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہین،

"راقم حروف را اعتماد بقول و ضبط تقی اوحدی نیست چہ میر مذکور بسیار کم مایہ و کم تتبع بودہ، چنانچہ بعض رباعیات شیخ ابوسعید و بابا افضل کاشی بنام شیخ بایزید قدس سرہ نقل کردہ، وحال آنکہ ہیچ کس از متقدمین و مورخین و ارباب خبرت و اہل تحقیق ذکر نہ کردہ اند کہ شیخ بایزید شعر می فرمود۔ تقی اوحدی را نسیان بسیاری نیز بودہ، چنانچہ گاہست کہ یک شعر را بنام سہ کس

---

[1] سمعانی نے کتاب الانساب مین رودکی کا ذکر کیا ہی، اور اسکی تاریخ وفات ۳۲۹ھ بتائی ہی، [2] والہ داغستانی گو متاخر ہی، محمد شاہ کا معاصر تھا، مگر کاوش و تحقیق مین اوس کا پایہ بلند ہے، جیسا کہ اوسکے تذکرہ سے ظاہر ہی۔

چہار کس نقل کردہ است،، (نسخہ قلمی کتبخانہ ندوۃ العلماء، در ترجمۂ حکیم سنائی)

رُباعی گو شعرا میں اگر دولت شاہ کا اعتبار کیا جائے تو ابو دلف عجلی، اور ابن الکعب نے جو یعقوب صفار المتوفی ۲۹۰ھ کے درباری شعرا تھے، سب سے پہلے رباعی موزون کی، اور اگر قیس رازی کی معجم فی معاییر اشعار العجم کی روایت کا لحاظ کیا جائے، تو اوسکے گمان میں سب سے پہلے جس نے رُباعی کہی وہ رودکی المتوفی ۳۰۴ھ ہے، (سمعانی[1] نے اس کی تاریخ وفات ۳۲۹ھ ثبت کی ہے)

دیوان رودکی کے نام سے جو مجموعۂ کلام ایران میں ۱۳۱۵ھ میں چھپا ہے، اور جسکے قلمی نسخہ کی طرف اشارہ صاحب مجمع الفصحاء نے کیا ہے، اُس کے آخر میں ص ۱۰۰ سے ص ۱۱۳ تک رباعیات کا عنوان ہے، اسکے تحت میں دو دو شعر کے بیس منظومات ہیں، جن میں عشقیہ، حکیمانہ، اخلاقی، اور خمریہ مضامین ہیں، مگر وزن و قافیہ کا اعتبار کرکے ان میں صرف چھ منظومات ایسے ہیں، جو رباعی ہیں، اور بقیہ قطعے ہیں، وہ چھ رباعیاں یہ ہیں،

(۱)
با آن کہ دلم از غم ہجرت خون ست ... شادی بغم تو ام زغم افزون ست
اندیشہ کنم ہر شب و گویم یا رب ... ہجرانش چنین است وصالش چون ست

(۲)
چشمم زغمت بہر عقیقے کہ بسفت ... بر چہرہ ہزار گل زیر از م بشگفت
رازیکہ دلم زجان ہمی داشت نہفت ... اشکم بزبان حال با خلق بگفت

(۳)
ہان تشنہ جگر مجوی زین باغ ثمر ... بیدستانیست این ریاض بد و در
بیہودہ مہان کہ باغبانت بقفا ست ... چون خاک نشستہ گیر و چون باد گذر

(۴)
چون گشتہ بہ نیت دولب کردہ فراز ... وز جان تہی قالب فرسودہ باز
بربالینم نشستہ می گوئی بناز ... کی کشتہ ترا من و پشیمان شدہ باز

[1] کتاب الانساب ص ۲۶۲، (ب)

اے از گلِ سرخ، رنگ بربودہ و بو رنگ از پے رُخ ربودہ، بوازپی مو
گلرنگ شود چو روی شوی ہمہ جوی [5] مشکین گردد چو موفشانی ہمہ کو

چون کار دلم ززلفِ او ماندہ گرہ بر ہر رگ جان صد آرزو ماندہ گرہ
امید زگریہ بود، افسوس افسوس [6] کانہم شب وصل درگلو ماندہ گرہ

ایک اور رباعی مجمع الفصحاء کے نسخہ مین ہی،

در منزل غم فگندہ مفرش مائیم وزآب دو چشم، دل برآتش مائیم
عالم چو ستم کند ستمکش مائیم [7] دست خوش روزگار ناخوش مائیم

حضرة الاستاذ نے مجمع الفصحاء کے حوالہ سے چھٹی رباعی شعر العجم مین نقل کی ہے، اور ذوقِ شعری کی بنا پر فیصلہ فرمایا ہے کہ یہ صناعانہ کلام رودکی کا نہین ہوسکتا، (شعر العجم جلد اول، احوال رودکی)

اگر یہ سات رباعیان رودکی کی ہون بھی تو تعجب معلوم ہوتا ہو کہ بانیِ فن کے ہان اسقدر کم اسکی مثالین ہون،

اصل یہ ہو کہ رودکی کا کلام جو متقدمین کی تصریح کے مطابق ہزارہا شعرون پر مشتمل تھا ضائع گیا، اور جو دیوان قلمی یا مطبوعہ ملتا ہے، رضا قلی خان ہدایت صاحبِ مجمع الفصحاء کی تحقیق کی بنا پر وہ حکیم قطران کے کلام سے مخلوط ہے، جس کا زمانہ رودکی کے سو برس بعد ہے، مصنف موصوف دیباچہ کے تیسرے صفحہ مین کہتا ہی:-

"گویند حکیم رودکی چندین ہزار بیت شعر فارسی مدون کردہ بود کہ اکنون ہزار یک آن نماندہ چنانکہ رشیدی گفتہ:-

شعر او را برشمردم سیزدہ رہ صد ہزار ہم فزون تر آید ار چونانکہ باید بشمری

وطرفہ تر این کہ در زمان ما اشعاری کہ بنام ابوعبداللہ جعفر بن محمد الرودکی معروف ومشہور است در دیوان ابو منصور قطران مسطور است و از وست"

پھر رودکی کے احوال مین کھا ہے،

"رودکی اشعار بسیار داشتہ، اما اشعار وی چیزی در میان نماندہ وہمہ بتحلیل رفتہ، طرفہ تر آنکہ رشیدی سمرقندی در باب نظم او گوید (شعراو برگذرا) واکنون قلیلے اشعار بنام وی مذکور است در بعضی تواریخ وکتب تذکرہ مسطور ست، چون دیوان حکیم قطران پدید آمد، بیشتر آنہا نیز دران دیوان دریافتہ شد ودیوانش معروف نبودہ، ودر مدائح وی ابونصر اندرست گمان کردہ اند کہ نصر بن احمد است وشاعر رودکی است پس ازانکہ در تواریخ وآثار دقتی رفت پیدا آمد کہ حکیم رودکی صدوسی اند سال قبل از قطران بودہ واین اشعار معروف بنام وے از قطران است الا قلیلے کہ دران نیز شبہہ است۔" (ص ۲۴۷)

اصل یہ ہے کہ نصر سامانی ممدوح رودکی، اور ابونصر مملان ممدوح قطران کے درمیان اختلاط ہوگیا، بہرحال اس بیان سے ہویدا ہے کہ اگر رودکی رباعی کا موجد ہے، تو اس کے موجودہ دیوان مین رباعیان اتنی کم کیون ہین، اور بعض مین زبان کی صناعی کی جو بعد کی چیز ہے، وجہ کیا ہے، اور نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اوسکے کلام کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا، اس لئے اس کی رباعیون کا نشان لگانا اب محال ہے، ورنہ سمعانی کے زمانہ مین (۵۰۶ھ ۵۶۲ھ) اوس کا دیوان بلادِ عجم مین بکثرت ملتا تھا، انساب سمعانی مین ہے:۔

السائر دیوانہ فی بلاد العجم — جسکا دیوان عجم کے شہرون مین دائر وسائر ہے،

رباعی گو حکیمون مین پہلا نام اور مطلق رباعی گویون مین دوسرا نام معلم ثانی ابونصر فارابی المتوفی ۳۳۹ھ کا ملتا ہے، ابن خلکان نے ایک عربی قطعہ مشتبہ طور سے اوسکی طرف منسوب کیا ہے، فارابی گو نسلاً ترک تھا مگر اس زمانہ مین عجم و ترکستان کی عام زبان فارسی ہی تھی، اور اس کے علاوہ وہ متعدد زبانون سے واقف تھا، اس لئے اسکی طرف فارسی رباعیات کا انتساب غیر متوقع نہین ہے، شہرزوری کی تاریخ الحکما مین ہر اصلہ فارسی بہرحال تذکرون اور بیاضون مین اسکی طرف چند رباعیات منسوب ملتی ہین، مجموعۂ منتخبات دار المصنفین مین حسب ذیل رباعیان اوس کے نام سے درج ہین،

اے آن کہ شما پیر و جوان دیدارید ازرق پوشان گنبد دوّارید
طفلے ز شما در بر ما محبوس است اورا بہ خلاص ہستی (؟) بگمارید

اسرار وجود خام و ناپختہ[1] بماند وآن گوہرِ بس شریف ناسفتہ بماند
ہرکس ز سرِ قیاس حرفے گفتند وآن نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

یہی دونون رباعیان مجمع الفصحا مین حکیم مذکور کے حال مین (جلد اول ص ۴۲) مندرج ہین، صرف اس قدر تغیر ہے کہ پہلی رباعی کے دوسرے مصرع مین گنبد دوّارید کے بجائے این کہن دیواریدہے، اور چوتھے مصرع مین ہستی کے بجائے ہمتی ہے، اور دوسری رباعی کے تیسرے مصرع مین ہے، ہرکس بدلیل عقل چیزے گفتند،

ایک اور مجموعہ مین (خیابان عرفان مرتبہ محمد حسن بلگرامی) ایک اور رباعی فارابی کے نام سے لکھی ہے،

زان پیش کہ از جہان فرو مانی فرد آن کن کہ نبایدت پشیمانی خورد
امروز بکن چون می توانی کارے فردا چہ کنی چو ہیچ نتوانی کرد

فارابی صوفی حکیم تھا، اور صوفیون کے لباس مین رہتا تھا،[2] مگران قرائن کے باوجود کوئی صحیح اور غیر مشکوک دلیل اوس کے رباعی گو شاعر ہونے پر ہمارے ہاتھ مین نہین ہے، بجز اسکے کہ شہرزوری نے تاریخ الحکما مین اوس کے حال مین لکھا ہے ولہ اشعار حسنۃ حکمیۃ" اور اسکے اچھے حکیمانہ اشعار ہین"، اور اُس کے عربی حکیمانہ اشعار دو صفحون مین نقل کئے ہین،

اس کے بعد شاعرانہ رنگ مین ابوشکور بلخی کا نام ملتا ہے، جس کا شمار سامانی عہد کے شاعرون مین ہے،

---

[1] گذر چکا ہے کہ یہ رباعی کسی قدر لفظی و معنوی تغیر کے ساتھ خیام کے رباعیات مین بھی شامل ہے، لفظ "ناپختہ" قافیہ کے لحاظ سے غلط ہے، [2] قفطی اور ابو الفرج ملطی مین ہے، واقام فی کنفہ مدۃ بزی اہل التصوف یعنی وہ ایک زمانہ تک سیف الدولہ کے سایۂ دولت مین اہل تصوف کے لباس مین رہا، درۃ الاخبار مین فارابی کے صوفیانہ کلمات بھی مذکور ہین،

۳۳۶ھ مین اُس نے ایک کتاب لکھی تھی، عوفی نے لب الالباب (جلد دوم ص۱۳گب) مین اوس کا ذکر کیا ہی اور شراب کے متعلق اوس کے متعدد قطعے نقل کئے ہین، اور ایک یہ رباعی لکھی ہی،

اے گشتہ من از غم فراوان تو پست   شد قامت من ز درد ہجران تو پست[۱]

اے شستہ من از فریب دستان تو دست   خود ہیچ کسی بسیرت دشان تو ہست

اسی عہد کا ایک اور حکیم شاعر عمارۂ مروزی ہے جس نے سامانیہ کا آخری اور غزنویہ کا ابتدائی زمانہ پایا ہی، صاحب مجمع الفصحا نے اوس کا سال وفات ۳۶۰ھ لکھا ہی، وصف شراب اوس کا خاص موضوع ہی، عوفی نے اوسکی یہ رباعی نقل کی ہی،

آن می بدست آن بت سیمین من نگر[۲]   گوئی کہ آفتاب بہ پیوست با قمر

وآن ساغری کہ سایہ بیفگند می برد[۳]   برگ گل سپید است بگوی یا لالہ بر

رباعی کی بحر کے بعض قطعات بھی ہین جن سے معلوم ہوتا ہی کہ ہنوز رباعی فن کی زنجیرون مین کسی نہین گئی تھی، جامی نے نفحات مین لکھا ہے کہ ایک دفعہ سلطان سعید ابوالخیر کو عمارہ کا کوئی شعر سنایا گیا تو وجد کا عالم طاری ہوگیا، اور اپنے مریدون کے ساتھ وہ اسکی قبر پر گئے،[۴]

اس زمانہ مین دیالمہ کی ایک شاخ آل زیار کا بادشاہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر دیلمی تھا جو ۳۶۶ھ مین تخت نشین ہوا، کمال البلاغۃ اور سیر الملوک اوسکی تصنیف ہے، کمال البلاغۃ مصر مین چھپ گئی ہے، شمس المعالی نے بعض رباعیان بھی کہی ہین، مجمع الفصحاء سے یہ رباعیان نقل ہین، (جلد اول ص ۵۴)

گل شاہ نشاط آمد و مے میر طرب   زان روی بدین دو میکنم عیش طلب

خواہی کہ بدین بدانی ای ماہ سبب   گل رنگ رخت دارد و می رنگ دولب

---

[۱] مجمع الفصحاء مین یہ مصرع اس طرح ہی، شد قامت من زبار ہجران تو شست [۲] مجمع الفصحاء مین یہ لفظ "سیمینہ تن" ہے،
[۳] مجمع الفصحاء مین یون ہی جو صحیح ہی، وآن ساغری کہ سایہ فگندہ است می زر [۴] مجمع الفصحاء جلد اول ص ۵۰ طبع ایران

شش چیز دران زلف تو دارد مسکن ؛ پیچ و گره و بند و خم و تاب و شکن

شش چیز دگر ازان نصیب دل من ؛ عشق و غم و درد و رنج و تیمار و حزن

حکیمانہ تصوف کا آغاز دیلمیون کے زیر سایہ ہوا، جو چوتھی پانچوین صدی مین ۳۲۰ھ سے لیکر ۴۴۳ھ یعنی سلجوقیون کی پیدایش تک برسرعروج رہے، اس بنا پر تصوف کی حکیمانہ رباعی چوتھی صدی کے وسط مین پیدا ہو چکی تھی، نشوار المحاضرہ جو چوتھی صدی کے اواخر کی تصنیف ہے، اس کی شہادت سے ثابت ہے کہ اس عہد یعنی دیالمہ کے عہد مین صوفیانہ رباعیان مجلس سماع کو گرم کرتی تھین، اب غزنوی دور آیا، اس دور کے سلاطین اور شعرار مین مختصر ہنگامی واقعات مثلاً شکریہ، معذرت، شکایت، فخر، تہنیت عید، اور دوسرے ہنگامی واقعات کی فی البدیہہ نظم مین یہ صنف سخن ترقی کرتی نظر آتی ہی، غزنویہ کا آغاز ۳۵۱ھ مین ہوا، اور اس کے عروج کا ستارہ سلجوقیہ کے آفتاب اقبال کی روشنی مین ۴۲۹ھ مین جھپکر رہ گیا، غزنوی دور کے شعرار مین سے عنصری المتوفی ۴۳۱ھ کے ہان رباعیان کثرت سی ہین، مجمع الفصحار مین اسکی تیس رباعیان درج ہین، مشہور کہانی کی بنا پر ایاز کی زلف کٹنے کے حسن تعلیل مین اوسکی رباعی ہی،

کے عیب سر زلف بت از کاستن است ؛ چہ جای بغم نشستن و خاستن است

روز طرب و نشاط و می خواستن است ؛ کاراستن سرو بہ پیراستن است

ایک دفعہ سلطان محمود چوگان کھیلنے مین گھوڑے سے گر گیا، اس پر عنصری نے برجستہ یہ رباعی کہی،

شاہا ادبی کن فلک بد خو را ؛ کاسیب رسانید رخ نیکو را

گر گوی خطا رفت بچوگانش زن ؛ ور اسپ خطا کرد بمن بخش اورا

سلطان نے وہ گھوڑا اوس کو بخش دیا، اس پر شاعر نے شکریہ کی دوسری رباعی برجستہ عرض کی،[1] عنصری کی رباعیات زیادہ تر انھین ہنگامی واقعات اور حسن و عشق کے مضامین کی ہین،

---

[1] مجمع الفصحار جلد اول ص ۳۶۷ ایران

اس عہد کے مشہور ترین شاعر فردوسی کے کلام میں بھی رباعی کی صنف پائی جاتی ہے، مشہور روایت کے مطابق عنصری، فرخی اور عسجدی کی بزم انس میں فردوسی نے جب پہلے پہل قدم رکھا تھا تو ان تینوں نے رباعی ہی کا ایک ایک مصرع کہکر فردوسی کے زور سخن کی آزمائش کی تھی[1]، یہ بھی کہتے ہیں کہ فردوسی نے سلطان کے حکم سے کسی خوشرو غلام کے آغاز خط کی تعریف میں یہ رباعی کہی تھی،

مست است بتا چشم تو و تیر بدست | بس کن کہ ز تیر چشم مست تو بجست
گر پوشید عارضت زرہ عذرش نہ | کز تیر بتر سد ہمہ کس خاصہ بہ مست

غزنوی شعراء میں عسجدی المتوفی ۴۳۲ھ کی رباعیات خاص نوعیت رکھتی ہیں، ان میں عشق حقیقی و مجازی کی معتدل ترکیب پائی جاتی ہے، مجمع الفصحاء میں اس کی دس رباعیاں ہیں، جنمیں سے پہلی حسب دستور زمانہ آغاز خط کے وصف میں ہے،

برگل رقمی ز مشک ناگاہ زدند | بر شکر شکر مورچگان راہ زدند
آئینہ روی دوست زنگار گرفت | از بسکہ برو سوختگان آہ زدند

در دور تو عقل کل کنشتی گردد | حسن ابدی شہرہ بزشتی گردد
خاکستر کشتگانت در دوزخ عشق | پیرایۂ حوران بہشتی گردد

دل دوش ہزار چارہ سازی میکرد | با وعدۂ دوست عشق بازی می کرد
تا بر کف پائے تو تواند مالید | دل را ہمہ شب دیدہ نمازی می کرد

صبح است و صبا مشک فشان میگزرد | دریاب کہ از کوے فلان می گذرد
برخیز چہ خسپی کہ جہان می گذرد | بوی لبستان کہ کاروان می گذرد

در جسم پیالہ جان روانست روان | در روح مجسم آن روانست روان

[1] تاریخ گزیدہ مستوفی ص ۸۲۲، (گب)

در آب فسردہ آتش سیال است | در درج بلور لعل کانست روان
ان جسم پیالہ مین بجان آبستن | ہمچون سمنی بارغوان آبستن
نی نی غلطم پیالہ از غایت لطف | آبیست باتش روان آبستن

گرزان کہ مرا فلک دہد مال فرہ | بگشایم ازین کار فرو بستہ گرہ
ترکی بحزم کہ ہر کہ بیند گوید | ای خاک تو از خون خریدار تو بہ

از شرب مدام و لاف مشرب توبہ | وز عشق بتان سیم غبغب توبہ
در دل ہوس شراب و برلب توبہ | زین توبہ نادرست یارب توبہ

عوفی نے لب الالباب کی پہلی جلد مین سلاطین غزنویہ، اور امراے چغانیہ (جو غزنویہ کے زیر اثر تھے،) اور امراے جرجان کی بہت سی رباعیان (باب اول در لطائف اشعار ملوک کبار) نقل کی ہین، مگر یہ زیادہ تر ہنگامی واقعات کے ذکر و بیان مین تفریحی حیثیت رکھتی ہین، البتہ ان مین سے ایک شخص خاص ذکر کے قابل ہے، اور وہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کا پوتا عنصر المعالی کیکاؤس بن اسکندر بن شمس المعالی قابوس امیر جرجان ہے جو سلطان مودود بن مسعود غزنوی کا معاصر تھا، یہ ایک سخن سنج و سخن فہم امیر تھا، اوسکے اشعار تذکرون مین مذکور ہین، مجمع الفصحا مین اوس کی دس اخلاقی اور عشقیہ رباعیان لکھی ہین پہلی رباعی یہ ہے:-

گر شیر شود عدو چو پیدا چہ نہفت | با شیر بہ شمشیر سخن باید گفت
کان را کہ بگو نہفت باید بی جفت | یا جفت بجان خویش نتواند خفت

اس عہد کا رباعی گو حکیم ابو علی سینا المتوفی ۴۲۸ھ ہی، اس نے متعدد حکیمانہ رباعیان کہین، جو تذکرون اور سفینون مین مذکور ہین، ان مین سے بعض خیام کے نام سے بھی ملتی ہین، ڈاکٹر ایتھے ETHE نے ۱۸۷۵ء مین ابن سینا کی بارہ [۱۲] رباعیون کو جمع کر کے چھپوایا ہے، مجمع الفصحا مین اوس کی یہ

پانچ رباعیان ہین،

دل گرچہ درین بادیہ بسیار شتافت ۱ یکموی ندانست ولی موی شگافت
اندر دل من ہزار خورشید بتافت آخر بکمال ذرّہ راہ نیافت

با این دو سہ نادان کہ چنین میدانند از حمق کہ دانای جہان آنانند
خر باش کہ این جماعت از فرط خری ۲ ہر کو نہ خر است کافرش می خوانند

کفر چو منی گزاف و آسان نہ بود محکم تر از ایمان من ایمان نبود
در دہر چو من یکے و آن ہم کافر ۳ پس در ہمہ دہر یک مسلمان نبود

از قعر گل سیاہ تا اوج زحل کردم ہمہ مشکلات گیتی را حل
بیرون جستم ز قید ہر مکر و حیل ۴ ہر بند کشادہ شد مگر بند اجل

ای کاش بدانمی کہ من کیستمی سرگشتہ بعالم از پے چیستمی
گر مقبلیم آسودہ و خوش زیستمی ۵ ورنہ بہزار دیدہ بگریستمی،

مجموعۂ منتخبات دار المصنفین مین ایک دو رباعیان اور بھی ہین، مگر وہ بھی خیام اور محقق طوسی کے منسوبات مین ہین، اوپر کی پانچ رباعیون مین دوسری، تیسری اور چوتھی، خیام کے مجموعہ مین بھی ملتی ہین،

غزنوی دور مین سلطان محمود کے زمانہ مین مشہور صوفی شاعر شیخ ابو الحسن خرقانی المتوفی ۴۲۵ھ کا ظہور ہوا، یہ پہلی مقدس ہستی ہے جس نے رباعیات کے پردہ مین عشق حقیقی کے مضامین ظاہر کئے، ہمارے مجموعۂ منتخبات، مجمع الفصحا اور آتشکدہ مین اون کی متعدد رباعیان ہین، ہمارے مجموعہ مین یہ رباعیان شیخ کے نام سے ہین،

تا گبر نشی، با تو بتے یار نبو، در گبر شی از بہر تے عار نبو
آنرا کہ میان بستہ بزنار نبو ۱ آنرا بمیان عاشقان کار نبو

روزم بملال بے توبگذشت وگذشت شب ہم بخیال بے توبگذشت وگذشت
یک چشم زدن، بے تو نہ بودم ہرگز ۲ اکنون مہ و سال بے توبگذشت وگذشت

سودائے سربے سروساماں یک سو اندیشۂ خاطرِ پریشان یک سو
بے مہری چرخ وجورِ زادان یک سو ۳ اینہا ہمہ یک سو، غم جانان یک سو

ای سینہ بیا طرحِ فغان اندازیم افسانۂ عشق درمیان اندازیم
تا از دلِ ما خبر رسانند بیار، ۴ دل بر سرِ راہِ کاروان اندازیم

مجمع الفصحا مین دو رُباعیان اور ہین:-

آن دوست کہ دیدنش بیا راید چشم بے دیدنش از گریہ نیا ساید چشم
مارا ز برائے دیدنش باید چشم ۵ گر دوست نہ بینید بچہ کار آید چشم

والہ داغستانی نے صرف پہلی رباعی نقل کی ہے، اور اوس کی زبان کی بنا پر یہ لکھا ہے:-

" و رباعیات دیگر ایشان نیز بہمین سیاقت آمیختہ بزبان پہلوی است،"

(در ترجمۂ ابوالحسن خرقانی)

اسرارِ ازل را نہ تو دانی و نہ من وین حرف معما نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوی من و تو ۶ گر پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

ایک اور رباعی اون کی طرف منسوب ملتی ہے،

گویند مرا کہ می پرستم، ہستم گویند مرا فاسق و مستم ہستم
در ظاہرِ من نگاہ بسیار مکن، ۷ کاندر باطن چنانکہ ہستم ہستم

چھٹی رباعی خیام کے اکثر نسخون مین موجود ہے، اور ساتوین بھی دیسنا اور کادیانی کے نسخون کے رو سے خیام کی ملکیت مین داخل ہے، اور پہلی رُباعی کی زبان بقیہ رباعیون سے الگ ہے، جو قابلِ لحاظ ہے،

نفحات الانس جامی کے تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوالحسن خرقانی سے پہلے شعر پسند صوفیہ اس ساز کو عربی لے مین چھیڑتے تھے، کہ ان سے پہلے فارسی کا کوئی ترانہ خوان صوفی نظر نہین آتا، الّا یہ کہ بایزید بسطامی کی طرف چند مشکوک رباعیان منسوب ہین،

اسی زمانہ مین شیخ کا معاصر باباطاہر ہمدانی المتوفی ۴۱۰ھ (یا بقول براون بقیاس روایت راحۃ الصدور قریب ۴۵۰ھ) ہے، یہ نصیری فرقہ کا درویش تھا، رے کی دہقانی بولی مین یہ رباعیان کہا کرتا تھا، اسکی رباعیون کا مجموعہ موجود ہے، اور چھپ بھی گیا ہی، یہ پہلا مستقل مجموعۂ رباعیات کا ہی، جو اسوقت ہمارے سامنے موجود ہے اسکی دو رباعیان یہ ہین

دلے دارم کہ بہبودش نمی بو ۔۔۔ نصیحت می کرم سودش نمی بو
بباد ش می دہم نش بسیرہ باد ۔۔۔ بر آذر می نہم دودش نمی بو

نسیمے کز بن آن کاکل آید ۔۔۔ مرا خوشتر ز بوی سنبل آید
چو شو گیرم خیالت را در آغوش ۔۔۔ سحر از بسترم بوئے گل آید

اس کے بعد سلطان ابوسعید ابوالخیر صوفی المتوفی ۴۴۰ھ آتے ہین، جن کی رباعیان عشق حقیقی کی تیز و تند شراب سے لبریز ہین، ان کی رباعیون کے بھی کئی اڈیشن مشرق و مغرب مین شائع ہو چکے ہین

اس سلسلہ مین ایک اور قابل ذکر ہستی بابا افضل الدین افضل کاشانی (یا کاشی) کی ہی، یہ ایک فاضل و حکیم صوفی تھے، آذر، آزاد بلگرامی اور ہدایت طہرانی کی تصریح کے مطابق اون کی متعدد تالیفات یادگار ہین، کہتے ہین کہ خواجہ نصیر الدین نے ان کی مدح مین وہ شعر کہا ہی، جسکی بنا "افضل افضل" کی تلمیح پر ہی، بابا کی اس شہرت کے باوجود کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان کا زمانہ صحیح طور سے متعین نہین، آزاد بلگرامی نے ید بیضا مین لکھا ہی کہ یہ سلطان محمود غزنوی کے معاصر تھے، اور سلطان ان کو ایران سے اپنے ساتھ لایا تھا، اور وہ مدت تک غزنین مین مقیم رہ کر پھر اپنے وطن مالوف کو واپس گئے، آذر نے آتشکدہ مین لکھا ہی، کہ یہ خواجہ

چند رباعیان نقل کی ہین، جو طربنامہ کے مطالعہ کے بعد اوسکو زبانی یاد رہ گئی تھین،[1]

پیرامن ِ روز قیرگون شب دارد زیرد و شکرسی و دو کوکب دارد

بر سُرخ گل از غالیہ عقرب دارد واز نوش دو تریاک مجرب دارد[1]

بر گردن خویش بستہ عقد ِ گہر واز گوش بیاویختہ حلقۂ زر

گوئی غم ِ عشق جلوہ کرد ای دلبر زاشک و رخ من بگردن و گوش تو[2]

زان می خواہم کہ خرمی را سبب است نامش می و کیمیای شادی لقب است

سرخ است چو عناب ِ وز آب عنب است آبی کہ برخ بر آتش آرد عجب است[3]

خصم تو اگر باز ندارد ز تو جنگ صد گونہ برائے تو بر آمیزم رنگ

بنشینم اگر کار بناست و بہ ننگ بر آتش چو کباب و بر تیغ چو زنگ[4]

ای غالیہ شوریدہ بما شورۂ[2] سیم وز غالیۂ تو سیم را رنگ و سیم

بر زغم مرا نہادی اے در یتیم دہ تاج سیہ، بر سر دہ ماہی شیم[5]

تیسری رباعی خیام کے بعض مجموعون مین بھی داخل ہے، باخرزی کا ایک دوست اور عزیز ہمدم وہم پیالہ محمد بن ابی نصر ہے، باخرزی نے اسکی نسبت اپنے تذکرہ مین لکھا ہے" ولہ رباعیات بالفارسیۃ واختراعات فیہا دقیقۃ" فارسی کی رباعیان نقل نہین کی ہین، مگر عربی اشعار نقل کئے ہین، جو تمام تر سوز و ساز اور رنگ ومستی ہین[3]،

عہد سلجوقی کے حکما، اور صوفیہ مین دو نام خاص قابلِ ذکر ہین، ایک امام محمد غزالی المتوفی ۵۰۵ھ اور دوسرے اون کے بھائی امام احمد غزالی المتوفی ۵۱۷ھ امام محمد غزالی کا ایک قطعہ اور تین رباعیان

[1] لب الالباب عوفی جلد ۱ [2] مجمع الفصحا مین شوریدہ کی جگہ سائیدہ اور شورہ کی جگہ سورہ ہے ص ۲۴۴،
[3] دمیۃ القصر ص ۲۶۵ حلب

مجمع الفصحا مین ہین، رباعیان حسب ذیل ہین،

کس را پس پردہ قضا راہ نشد وز سرِ قدر ہیچ کس آگاہ نشد
ہر کس ز سرِ قیاس چیزے گفتند معلوم نگشت و قصہ کوتاہ نشد

ماجامہ نمازی بسر خم کردیم وز آب خرابات تیمم کردیم
شاید کہ درین میکدہا دریابیم آن یار کہ در صومعہ ہا گم کردیم

خاک در کس مشو کہ گردت خوانم گر خود ہمہ آتشی کہ سردت خوانم
تا تشنہ تری بخلق محتاج تری سیراز ہمہ شو تا سرہ مردت خوانم

پہلی اور دوسری رباعیان خیام کے بعض نسخون مین بھی ہین (دیکھو مطبوعات بمبئی)

امام احمد غزالی صوفی صافی تھے، مجمع الفصحا مین ان کی تین صوفیانہ رباعیان ہین،

یہ تمام اشخاص خیام کے معاصرین تھے، اس قرن کے دوسرے رباعی گو صوفیون مین سب سے مشہور و معروف ہستی شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ انصاری ہروی المتوفی ۴۸۱ھ[1] کی ہے، یہ مذہبًا حنبلی اور مشربًا صوفی تھے، عربی اور فارسی دونون زبانون مین شعر کہتے تھے، جو زیادہ تر عجز و تقصیر، طلب مغفرت، نصیحت و موعظت اور مناجاتون پر مشتمل ہین، ابن رجب حنبلی نے طبقات الحنابلہ مین ان کا مفصل ذکر کیا ہی، اور ان کے بعض عربی اشعار بھی نقل کئے ہین، منازل السائرین تصوف مین انکی مشہور کتاب ہی، فارسی مین ان کی مناجاتین بہت دلکش ہین، اسی سلسلہ مین اون کی رباعیان بھی ہین جن کا نمونہ یہ ہے، دوسری رباعی مجموعۂ منتخبات دار المصنفین مین اور بقیہ تین مجمع الفصحا مین ہین،

عیب است بزرگ برکشیدن خود را (۱) وز جملۂ خلق برگزیدن خود را

[1] ریاض الشعرا اور مجمع الفصحا وغیرہ تذکرون مین ۳۹۶ھ کی ولادت اور ۴۸۱ھ کی وفات غلط لکھی ہی، ایک صدی کی کمی ہی، مین نے یہ تاریخ ابن رجب حنبلی کے طبقات الحنابلہ سے نقل کی ہی، جس نے اون کے معاصرین اور تلامذہ کے انکے احوال نقل کئے ہین

از مردمک دیدہ بباید آموخت دیدن ہمہ کس را ونہ دیدن خود را

عودم چو نبود چوب بید آوردم روی سیہ و موی سپید آوردم
تو خود گفتی کہ ناامیدی کفر است فرمان تو بردم و امید آوردم ۲

شرط است کہ چون مرد رہ درد شوی خاکی تر ونا چیز تر از گرد شوی
ہر کو ز مراد گم شود مرد شود بفگن الف مراد تا مرد شوی ۳

وی آدم و نیا مدا ز من کارے و امروز ز من گرم نشد بازاری
فردام بردم بے خبر از اسرارے نا آمدہ بہ بود ازین بسیاری ۴

خیام اور عبد اللہ انصاری کی بعض رباعیاں بھی باہم مختلط ہیں،

اسی عہد کے ایک اور صوفی شاعر ہیں جن کا نام اس سلسلہ میں اب تک نہیں لیا گیا ہے، اور وہ شیخ احمد بدیلی[1] سبزواری ہیں، جو ۶۰۳ھ میں سلطان تکش خوارزم شاہ کے عہد میں موجود تھے، مصنف جہان کشانے ان کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:-

"چون کار اہل سبزوار باضطرار رسید و ملجا و مہربے نہ بود بشیخ احمد بدیلی کہ از ابدال زمانہ بود و در علوم دینی و حقیقی یگانہ .... وا ورا در حقائق اشعار است از غزل و رباعیات و رسائل"

آخری فقرہ جہان کشا کے دوسرے نسخہ میں جو مطبوعہ نسخہ کے حاشیہ پر ہے، حسب ذیل ہے:-

"وا ورا در حقائق اشعار و رباعیات و رسائل بسیار است"

اس کے بعد یہ ہے:-

"و این رباعی او راست"

---

[1] مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں مشائخ کے سلسلہ میں ان کا ذکر کیا ہے، (ص ۷۸۰ گب) اور ان کا نام احمد بن بدیل سبزواری لکھا ہے، اور کوئی نئی بات نہیں لکھی ہے،

ای جان اگر از غبار تن پاک شوی — تو روح مقدسی بر افلاک شوی
عرش است نشیمن تو، شرمت بادا — کآئی و مقیم خطۂ خاک شوی

مگر یہ رُباعی تبغیر خیام کے نسخون مین بھی موجود ہے،

حکما اور صوفیہ نے رباعی کو کیون اختیار کیا، ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ حکما اور صوفیہ نے تمام اصناف سخن مین رباعی کو کیون اپنے لئے مخصوص کیا؟ اس کا جواب جہان تک مجھے معلوم ہی، اب تک نہین دیا گیا ہے، مین نے جہان تک چھان بین کی حسب ذیل نتائج سامنے آئے،

۱۔ اس وقت تک شاعری کے جو اصناف رواج پذیر تھے، وہ قصیدہ، مثنوی اور قطعہ تھے، قصیدہ مین تیس چالیس بلکہ ان سے بھی زیادہ شعر ہوتے تھے، اور وہ عموماً مدح و ہجو مین کام آتا تھا، شروع مین تشبیب ہوتی تھی، جسمین حسن و عشق کی روداد، یا مناظر قدرت بیان کئے جاتے تھے، مثنوی رزم و بزم کے مسلسل واقعات و حکایات کے لئے مخصوص تھی، قطعہ مین مختصر واقعات نظم ہوتے تھے، چنانچہ ابتدا فلسفہ کے خیالات قصیدون قطعون اور مثنویون مین بھی ادا کئے گئے، سب سے پہلے فلسفی شاعر حکیم ناصر خسرو (المتوفی ۴۸۱ھ) نے ہر قسم کے فلسفیانہ خیالات قصیدون ہی مین ادا کئے ہین، تاہم حکمت و تصوف کے اچھوتے خیالات ایک نئی صنف سخن کے طالب تھے، تاکہ حسن و عشق کی روداد اور مدح و ذم کی حکایات سے تصوف و حکمت کے حقائق ظاہری و باطنی ہر طرز سے علحدہ ہو جائین،

۲۔ حکما اور صوفیہ پیشہ ور شاعر نہ تھے، اون کے شب و روز کے مشاغل کچھ اور تھے، شاعری اون کا پیشہ نہ تھا، اس لئے انکے ذہنی خیالات کی تحریر و ترتیب کے لئے قصائد و مثنوی کے طویل الاشعار اصناف سخن کار آمد نہین ہو سکتے تھے، نہ اون کے پاس تعلیم و تصنیف و مطالعہ، یا ذکر و فکر عبادت سے اتنا وقت نکل سکتا تھا کہ وہ قصیدہ یا مثنوی تصنیف کرنے بیٹھتے، کبھی سانس لینے کے لئے وہ کچھ کہہ لیتے تھے، اور اتنی تھوڑی دیر مین چار مصرعے لکھکر الگ ہو جاتے تھے، اور پھر اپنے مشاغل مین لگ جاتے تھے،

۳۔ قصیدہ اور مثنوی مین مسلسل واقعات نظم ہوتے ہین، اور غزل بحیثیت ایک مستقل صنف سخن کے اب تک پیدا نہین ہوئی تھی جسمین معنی کے لحاظ سے ہر شعر بجائے خود مستقل ہوتا ہے، کمال اسمٰعیل المتوفی ۶۳۶ھ نے اس طرز کا آغاز کیا، اور شیخ سعدی المتوفی ۶۹۱ھ نے اس کو کمال کو پہنچایا، اس لئے فلسفہ و حکمت کے مختصر متفرق خیالات کے لئے رباعی کے سوا کوئی چیز اوس وقت موجود نہ تھی،

۴۔ فارسی مین اسلام کے بعد موسیقی کا رواج سامانی دربارون مین شروع ہو چکا تھا، مگر یہ معلوم نہین کہ فارسی مین گایا کیا جاتا تھا، قصیدہ اور مثنوی گانے کی چیز نہ تھی، غزل پیدا نہین ہوئی تھی، البتہ چھوٹی بحرون کے مختصر قصیدے جن کو متاخرین کی اصطلاح مین غزل کہدیجئے، گائے جا سکتے تھے جس طرح کہ رودکی نے اپنی یہ نظم "بوی موی جولیان آید ہمی"، جن مین سات شعر ہین، امیر نصر سامانی کے سامنے گائی تھی، مگر ایسی نظمین کم ہوتی تھین، میرا خیال ہے کہ غنا و موسیقی کے کام مین اس وقت اکثر یہی رباعی آتی تھی، صوفیہ جو سماع کے شائق تھے، اون کے لئے اسی سبب سے رباعی موزون تھی، غالباً یہی وجہ ہے کہ شروع شروع مین رباعی کو ترانہ (راگ) کہتے تھے، محمد بن قیس رازی (موجود ۶۲۳ھ) المعجم فی معاییر اشعار العجم کی حسب ذیل عبارت سے یہ بات مترشح ہوتی ہے،

وبحکم آن کہ منشد و منشی دیادی و بانی آن وزن کودکے بود نیک موزون و دلبر و جوانی سخت تازہ و تر آنرا ترانہ نام نہاد، و مایۂ فتنۂ بزرگ را سر بجہان در داد، و ہمانا طالع ابداع این وزن، برج میزان بودہ است، .... کہ خاص و عام مفتون این نوع شدہ اند و عالم و عامی مشغوف این شعر گشتہ، زاہد و فاسق را در آن نصیب و صالح و طالح را بدان رغبت، کر طبعانے کہ نظم از نثر نشناسند، و از وزن و ضرب خبر ندارند بہانۂ ترانہ در رقص آیند، مردہ دلانے کہ میان لحن موسیقار و نہیق حمار فرق نکنند، و از لذت بانگ چنگ بہزار فرسنگ دور باشند، بر دوبیتی جان برفشانند، بسا دختر خانہ کہ بر ہوس ترانہ در و دیوار خانۂ عصمت خود در ہم شکست، بسا ستی (خاتون)

کہ بر عشق دو بیتی تا ر و پو د پیراہن عفت خویش برہم گسست، و بحقیقت ہیچ وزن از اوزان متبدع و اشعار مخترع کہ بعد از خلیل احداث کردہ اند بدل نزدیک تر، و در طبع آویزندہ تر ازین نیست و بحکم آن کہ ارباب صناعت موسیقی برین وزن الحان شریف ساختہ اند و طرق لطیف تالیف کردہ و عادت چنان رفتہ است کہ ہر چیز بر ازان جنس برابیات تازی باشد آنرا قول خوانند و ہرچہ بر مقطعات پارسی باشد آنرا غزل خوانند، اہل دانش ملحونات این وزن را ترانہ نام کردند (ص ۸۹ و ۹۰)

۵۸۶ھ مین سلطان تکش خوارزم شاہ کے دربار مین مصنف جہان کشا کے پردادا نے سلطان کی مدح مین ایک رباعی پڑھی، کہتا ہے، "جد پدرم این رباعی بداہتہ بگفت"

لطفت شرف گوہر مکنون ببرد جود کف تو رونق جیحون ببرد

حکم تو بیک لحظہ اگر راے کنی سوداے محال از سر گردون ببرد

سلطان برین ترانہ تا شبانہ شراب نوشید[1]

یہ دربار سلطانی کی مثالین ہین، صوفیون کی خانقاہون مین رباعی کا نغمہ اس سے بھی زیادہ پہلے سنائی دیتا ہے، نشوار المحاضرہ واخبار المذاکرہ جو قاضی ابو علی محسن تنوخی المتوفی ۳۸۴ھ کی تصنیف ہے، اسمین ایک واقعہ کے ضمن مین ہے،

حضرنی ابو احمد عبد اللہ بن عمر الحارثی وعندی صوفی تیرنم بشیٔ من الرباعیات[2]

ابو احمد عبد اللہ بن عمر حارثی میرے پاس آئے، اور اوس وقت ایک صوفی میرے پاس بیٹھا تھا جو کچھ رباعیان گا رہا تھا،

یہ دو واقعہ ظاہر ہے، کہ مصنف کے سال وفات ۳۸۴ھ سے پہلے ہوگا، اس سے اندازہ ہوگا، کہ

---

[1] تاریخ جہانکشا علاء الدین عطا ملک جوینی ص ۲۹ گب [2] نشوار المحاضرہ قاضی تنوخی جلد اول ص ۵۴ مطبوعہ مطبع امین ہندیہ مصر، مرگولیتھ

کہ خیام بلکہ سلطان ابوسعید ابوالخیر سے بھی پہلے صوفی اور رباعی مین مناسبت پیدا ہوگئی تھی، اور صوفیون کی مجلس مین یہ سماع و ترنم کے کام مین آتی تھی، محمد بن علی راوندی جس نے اپنی تاریخ سلجوقیہ راحۃ الصدور ۵۹۹ھ مین لکھی ہی، امام غزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی مجلس سماع کا ایک واقعہ ان لفظون مین لکھا ہے:-

وقتے در سماع کہ فتوح روح و آسایش عاشقان مجروح بود صوفیان را صفائی درون ظاہر شدہ و عارفان راحالت آمدہ مطربے بلحنے خوش و آوازے دلکش برنوائے نے، نہ بر آوائے نای این ترانہ بساختہ بود و این بیت در انداختہ

دارم سخنان تازہ و زرّ کہن / آخر بکف آرمت بزر یا بسخن،

امام غزالیؒ حاضر بود از سر وجدے گفت، زر را چہ محل سخن، سخن، سخن، کتاب مذکور مین رباعی کا دوسرا شعر مذکور نہین خود خیام کی رباعیات خیام کے بعد ہی چھٹی صدی مین صوفیون کے حال و قال کی مجلسون مین پڑھی جاتی تھین، اخبار الحکماء قفطی مین ہے:-

وقد وقف متأخروا الصوفیۃ علی شئ من	اور پچھلے صوفیون نے اوسکے اشعار کے کسی قدر ظاہری
ظواهر شعره، فنقلوها الی طریقتهم وتحاضروا	مطالب پر اطلاع پائی تو اونکو اپنے مشرب مین ڈھال لیا
بها فی مجالساتهم وخلواتهم،	اور اپنی مجلسون اور خلوتون مین اونکو پڑھکر ایک دوسرے کو سنایا

۵- رباعی کے وزن کو موسیقی کی لے سے کوئی خاص مناسبت تھی، اوسکا ایک اور ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے، کہ رباعی کا پہلا موجد شاعر، رودکی، اور پہلا رباعی گو حکیم ابونصر فارابی دونون موسیقی کے مشہور استاد تھے، رودکی وہی ہی جس نے بوی جوی مولیان آید ہمی گا کر امیر سامانی کو بے اختیار بخارا کے سفر پر آمادہ کر دیا تھا[۵۳]، اور فارابی وہی ہی، جو ایک دفعہ اپنے نغمہ و ساز سے مشہور دیلمی وزیر صاحب ابن عباد کی محفل کو مست خواب بنا کر چلا گیا تھا[۵۴]، اور جس نے ایک موقع پر سیف الدولہ حمدانی کے دربار کو محو حیرت بنا دیا تھا[۵۵]، ابھی حال مین پیرس سے فارابی کی موسیقی کبیر چھپکر شائع ہوئی ہے،

---

[۵۱] راحۃ الصدور راوندی ص ۲۰۸ گب [۵۲] اخبار العلماء باخبار الحکماء جمال الدین قفطی تذکرہ خیام [۵۳] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی، احوال رودکی [۵۴] درۃ الاخبار ذکر ابونصر فارابی [۵۵] ابن خلکان تذکرہ ابونصر فارابی،

اسلامی دنیا کے اخبار و رسائل

از جناب محمد یعقوب صاحب بی اے لکھنؤ،

۱۔ ذیل کا مضمون غالباً مسلم ورلڈ امریکہ کے کسی مضمون کا ترجمہ ہے، یہ عیسائیون کا تبلیغی رسالہ ہے، جو اپنے ہم مذہبون کو اسلام کے معاملے سے باخبر، اور مسلمان نوجوانون کو اسکی طرف سے متنفر کرنے کے لیے انگریزی مین شائع ہوتا ہے،

۲۔ اخبارات و رسائل کے نامون کے لکھنے اور پھر اردو مین ترجمہ کرنے مین غلطیان ہوئی ہین، اکثر نامون کی تصحیح تو کر دیگئی ہی، مگر پھر بھی بعض نام مشتبہ ہین،

۳۔ اخبارات و رسائل کے نامون پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اس فہرست مین مردہ زندہ سب ہی صحیفون کے نام ہین، اور بعض تازہ ترین کے نام نہین بھی شامل ہین، چند نام ہم نے اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہین، تاکہ اسکی کمنگی دور ہو جائے،

"معارف"

مسلمانون کی آبادی کرۂ ارض پر ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے روسے تیئس کرور ہے، اس مین سے تقریباً ⅓ آبادی ہندوستان کے مسلمانون کی ہی، اور باقی ⅔ افریقہ، یورپ، امریکہ، اسٹریلیا، اسینیا اور تمام ایشیا کی ہے، مسلمانون کی تعلیمی حالت بہت خراب ہے، اور اس طرف سے مسلمانون نے اپنے کان بالکل بند کر لیے ہین، ناخواندہ مسلمان بیشتر افریقہ کے براعظم مین رہتے ہین، جس کی خاص زبان عربی ہے، خواندہ مسلمانون کی تعداد مشکل سے ایک فیصدی بھی نہین، اس پر بھی ہم اپنے آپ کو خواندہ کہنے کے لیے ہر جگہ تیار ہین، ہماری ناخواندگی سے عیسائی مشن جو ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے، وہ اظہر من الشمس ہے،

اور ہر سال ہزارون کی تعداد مین مسلمان صلیبی مذہب کے زیر سایہ ہوتے جاتے ہین، مسلمانون مین کسی مشن کا سوا احمدیہ جماعت کے وجود نہین، جب ہماری یہ حالت ہے تو ہمارے اخبارون کی بھی ویسی ہی اشاعت ہوگی،

تمام اسلامی دنیا سے مشکل سے ایک ہزار روزانہ اخبار اور دو ہزار میگزینون کی اشاعت ہوتی ہے، ہمارے اخبارون کی تاریخ بہت پرانی نہین ہے، اور مشکل سے (۲۰۰) برس اسکی عمر ہے، لیکن جس تیزی کیساتھ انھون نے گذشتہ دس سال مین ترقی کری ہے وہ ذیل کے مضمون سے ظاہر ہوگی،

۱- جمہوریہ ترکیہ اور شام،

ترکی مین مطبع ۱۷۲۸ء مین پہلی مرتبہ جاری ہوئے، خلافت کے دور مین ۱۸۳۲ء تک کوئی کوشش اخبار کے نکلنے کے متعلق نہین ہوئی، ۱۸۴۳ء مین ایک فرنگی مسٹر چرچل نے بذات خود ایک ہفتہ وار اخبار پہلی مرتبہ نکالا، اور ۱۸۶۰ء مین ترکون نے بسم اللہ کی جسکا نام ترجمان احوال تھا، اس پرچہ کے اجرا نے ایک برقی لہر ترکون مین دوڑادی، اور اس تاریخ سے اشاعت نے زور پکڑا، ترکی کی حالت ۱۸۷۶ء تک بیحد خراب تھی کیونکہ قابل اشخاص صف اول مین نہین آئے تھے، اور کسی ملک کی ترقی کمزورون کے ہاتھ سے نہین ہوسکتی، ۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۸ء تک خلافت کے دور مین اخبارون کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی، ترکی نوجوانون نے ۱۸۹۷ء مین اشاعت اپنے ہاتھون مین لی اور پروپگنڈا کرنا شروع کردیا، مصر، بلقان، فرانس، اور سوئٹزرلینڈ مین اخبارون کی اشاعت شروع ہوگئی گو اس زمانہ مین یہ بہت تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لیے جاری رہے، لیکن اخباری آزادی بہت جلد ملگئی سلطان کے خلاف ۱۹۰۸ء مین اخبارون کے ذریعہ سے بہت زہر اگلا گیا، یہانتک کہ چھ روزنامہ اخبار، اور دو ہفتہ وار سیاسی اخبار اس کام مین لگ گئے، سلطان عبد الحمید نے ان تھک کوشش ان اخبارون کے بند کرنے کی کی، لیکن بسیود ثابت ہوئی اور ۱۹۰۱ء مین تعداد ۱۸۷۲ء سے بہت بڑھ گئی،

۲۵ جولائی ۱۹۰۸ء کا دن اخباری دنیا مین ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اخباری آزادی مل گئی" اقدام" کی کاپیان جس کی اشاعت (۶۰۰۰۰) ہوتی تھی، اور ایک اخبار ایک سنٹ کو بکتا تھا، شام کو ایک ایک کاپی (۴۰) (۴۰)

سنہ کو بکی تھی ہمعولی اخبارون کی تعداد اس وقت سے بہت بڑھ گئی، صرف خبرون کی لحاظ ہی سے نہین بلکہ اخبارون
مین ادبی، سیاسی، معاشی اور فلسفیانہ تبصرے شائع ہونے لگے جنین ایک خاص تعداد ان اخبارون کی تھی جو نسائیت
کے حامی تھے، لیکن کلی آزادی ابھی دور تک نہین ملی تھی، گورنمنٹ نے ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کے انقلاب کے الزامات اخبارون پر
تھوپے اور اسی سلسلے مین بہت زیادہ اشاعت مین کمی ہوگئی، مدیرون کو سزائین ملین اور شہر بدر کئے گئے، پرانے اور نئے
خیال کے لوگون مین جھگڑے ہوئے لیکن پرانے مغلوب ہوئے، ترکی کی شکست جنگ بلقان مین ہونے کے بعد اخبارون کو
اور زیادہ آزادی ملی کیونکہ نوجوانون مین ترکی کی ترقی کی لہر دوڑ گئی اور اس دن سے ان تھک کوششون مین مشغول ہوگئے،

نسوانی ترقی اخباری دنیا مین حد سے زیادہ ہوئی، اور مذہبی قید سے بھی چھٹکارا ملا ۱۹۱۴ء مین قسطنطنیہ مین
ذیل کے اخبار نکلتے تھے:۔

قسم	تعداد	قسم	تعداد
ظریفانہ	۳	مذہبی	۶
باتصویر	۵	کاروباری	۹
بچون کیلئے	۱۱	جنگی	۵
نسوانی	۲	علمی	۸
سیاسی روزنامہ	۶		

انمین ان اخبارون کی تعداد شامل نہین ہے، جو غیر ترکی زبانون مین نکلتے ہین، روزنامہ اخبار، سمرنا، بروسا،
قونیہ، اور طربزند سے نکلتے ہین،

دوسرے صوبون کے لاطینی اور عربی اخبارون کی تعداد،

نام صوبہ	اشاعت لاطینی مین	اشاعت عربی مین
عدانیہ	۴	×

نام صوبہ	اشاعت لاطینی مین	اشاعت عربی مین	نام صوبہ	اشاعت لاطینی مین	اشاعت عربی مین
اڈریانوپل	۵	×	کسٹانی	۳	×
حلب	۷	۵	خرپت	۳	۱
انگورا	۴	×	موصل	۳	۲
بیروت	۱	(۱۴ رسالے یہی لاطینی مین نکلتے ہین)	سیواس	۳	×
دردانیال	۲	×	وان	۱	×
دیاربکر	۵	×	قسطنطنیہ	۴۳	۴
ارض روم	۳	×			

ترکی مین ۱۹۱۳ء مین اخبارون کی اشاعت ۳۸۹ تھی،

ترکی کی موجودہ دور ترقی مین اخبارون کا بھی حصہ ہے چنانچہ انکی اشاعت روزبروز بڑھتی چلی جا رہی ہے، ترکی کے اخبار صرف خبرون ہی سے پر نہین ہوتے بلکہ ان مین ادبی، سیاسی، معاشی اور فلسفیانہ تبصرے اور تنقیدین بھی ہوتی ہین ۱۸۶۰ء مین ترکی مین ایک پرچہ بھی نہین نکلتا تھا اور باوجودیکہ ۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۸ء تک اخبارون کی اشاعت بہت کچھ رک گئی، لیکن انقلاب کے بعد ترکی کے اخبارون کی تعداد ۸۰۰ تھی جو ترکی، فرانسیسی، عربی، اور لاطینی زبانون مین نکلتے تھے، اس مین بہت کم تعداد غیر مسلم کی تھی، جمہوریہ ترکیہ کی اشاعت چار شعبون مین ہوتی ہے،

سبیل الرشاد، (مذہبی میگزین)

محفل (صوفیانہ اخبار)

اجتہاد (سیاسی)

علمی مجموعہ (ادبی)

روزنامون کی تعداد برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے، جنمین حسب ذیل بہت مشہور ہین،

اقدام طنین، توحید افکار، الیراء، وافقیت، پیام صبح (۱۹۲۲ء) میں بند ہوگیا، وطن اور اقشام،

۱۹۲۴ء مین ایک ماہوار رسالہ المحراب قسطنطنیہ سے نکلا، اس کی اشاعت لاطینی رسم خط مین ہوتی ہے، اور مذہبی، فلسفیانہ اور تاریخی نقطۂ نظر سے موجودہ اسلام پر روشنی ڈالتا ہے، اس کے مدیر ایک نہایت قابل شخص ہین،

انگورہ کے اخبار بجد ترقی کر رہے ہین، اور ذیل کے پرچے نکلتے ہین،

کلیم ملیہ، عین کن، عین ترکیہ، اور شہیر،

شام مین ایک ترکی اور چھبیس ۲۶ عربی اخبار نکلتے ہین، خاص بیت المقدس سے علاوہ ان اخبارون کے ایک ترکی اور پندرہ ۱۵ عربی پرچون کی اشاعت ہوتی ہے،

۲- مصر، عرب اور عراق

مصر مین اخبارون کی اشاعت کا بیڑا اوّل اوّل گورنمنٹ نے اٹھایا، عربی کا پہلا اخبار ۲۰ نومبر ۱۸۲۸ء کو قاہرہ سے نکلا، اس کا نام الواقعۃ المصریہ تھا جو ترکی اور عربی مین نکلتا تھا، دوسرا اخبار یکم جنوری ۱۸۵۸ء کو بیروت ملک شام سے نکلا، اس کا نام حدیقۃ الاخبار تھا اور یہ عربی اور فرانسیسی زبانون مین نکلتا تھا، بیروت سے دوسرا عربی اخبار البشیر ۱۸۶۹ء مین نکلا، اخباری ترقی مصر مین بہت اچھی ہوئی اور ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ کس قدر ترقی ہوئی،

سال	اخبارون کی تعداد	سال	اخبارون کی تعداد
۱۸۹۲ء	۴۰	۱۹۰۹ء	۱۴۴
۱۸۹۹ء	۱۶۷		

اخباری آزادی مصر مین بہت جلد مل گئی،

مسلمانون کی تعداد جو عربی بولتی ہے ۰۰۰،۰۰۰،۴۵ ہے، عربی اخبارون کا مرکز صرف قاہرہ، بیروت،

دمشق، بغداد، مکہ اور مدینہ ہی جیسے شہر نہین ہین، بلکہ اسلامی دنیا کے ہر مرکز سے عربی اخبارون کی اشاعت ہوتی ہے آجکل مالٹا مین دو عربی اخبار نکلتے ہین جنمین سے پہلا اخبار ۱۸۷۹ء مین جاری ہوا، کلکتہ مین ایک عربی اخبار ۱۹۲۴ء سے نکلنا شروع ہوا، ترکی اور مصر کے انقلابی اشخاص نے جو دنیا کے دوسرے ممالک مین شہر بدر کر دیئے گئے تھے، ایک ہیجان برپا کر دیا، اوران مقامون سے اخباری دنیا مین چیخ پکار کرنے لگے، ان اخبارون کی اشاعت پیرس، قسطنطنیہ، سوئٹزرلینڈ، اور جنوبی امریکہ جیسے ملکون سے ہوئی،

عربی اخبار اکثر اوقات اٹلی، فرانس، لندن، تفلس، نیویارک اور فلیڈلفیا سے جاری ہوئے ہین، اگرچہ ۹۰ فیصدی عربی بولنے والی آبادی ناخواندہ ہے لیکن اسپر بھی اخبارون کا کافی اثر لوگون پر ہے، مصر اور شام صف اول مین ہین، عربی اخبارون کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دنیا کے ہر ہر گوشے مین پھیلے ہوئے ہین جیسا کہ ذیل کا نقشہ ظاہر کرتا ہے

دنیا مین عربی روزنامہ اخبارون کی اشاعت ۴۷۴ ہے جو حسب ذیل مختلف مقامون سے نکلتے ہین،

قاہرہ (۹۶) اسکندریہ (۲۸) باقی مصر اور سوڈان (۶) بیروت (۳۰) بیت المقدس (۵) قسطنطنیہ (۱۶) جافہ (۳) بغداد (۳۲) بصرہ (۹) طرابلس شام (۹) دمشق (۲۲) ہاما اور ہومز (۱۱) لبنان (۲۴) حلب (۱۵) لاتیکیہ (۳) باقی ترکی (۱۳) پیرس (۱۲) مارسیلی (۱) لندن (۴) سارڈنیہ (۱) مالٹا (۱) لینن گراڈ (۲۱) الجزائر (۶) مراکش (۳) ٹیونس (۲۶) طرابلس غرب (۳) نیویارک (۱۲) بیونس آریس (۵) ساؤ پالو (۸) راڈیجنیرو (۳) مانیٹرل (۳) باقی امریکہ (۸) زنجبار (۲) سنگاپور (۲)،

عربی میگزینون کی اشاعت ۲۳۹ ہے جو ذیل کے مقامون سے نکلتے ہین،

قاہرہ (۱۲۱) اسکندریہ (۲۴) باقی مصر (۷) بیروت (۳۴) قسطنطنیہ (۱) جافہ (۱) بغداد (۴) طرابلس شام (۳) دمشق (۵) ہاما اور ہومز (۴) لبنان (۸) حلب (۲) باقی ترکی (۶) مارسیلی (۱) الجزائر (۱) مراکش (۱) ٹیونس (۴) لکھنؤ (۱) نیویارک (۵) بیونس آریس (۳) ساؤ پالو (۲) مانیٹرل (۱)

عربی اخبارون کی مصر مین نمایان ترقی ہوئی، ۱۸۹۹ء مین اخبارون کی تعداد ۱۶۹ تھی اور ۱۹۱۲ء مین

۲۸۴ ہو گئی مصر میں صرف میگزینوں کی اشاعت نوّے سے اوپر ہو اور ذیل کی زبانوں میں نکلتے ہیں، صرف مسلمان اخبارون کی تعداد دیجا رہی ہی۔

زبان	تعداد	زبان	تعداد	زبان	تعداد	زبان	تعداد
عربی	۵۰	انگریزی	۴	یونانی	۸	مالٹیز	۱
فرانسیسی	۱۲	لاطینی	۴	آرمینا	۳	ہبرو	۱

موجودہ زمانہ کے لحاظ سے روزانہ اخبارون کی تعداد برابر بڑھتی چلی جا رہی ہی جنگ عظیم سے قبل ایک روزنامہ عربی کی اشاعت صرف .... تھی لیکن اب ہر ایک روزنامہ کی اشاعت .... ۴ سے کم نہین ہوتی آجکل کے مشہور اخبار ذیل کے ہین جو سب کے سب سیاسی ہین۔

الاہرام، الخاتم، البلاغ، رو دنیل، المحروسہ، الاخبار، اور السیاسۃ،

المنار ہو اہ رسالون مین صف اول مین ہی جسکی بنیاد شیخ محمد عبدہٗ نے ڈالی تھی اور ان کے مرنے کے بعد انکے شاگرد رشید سید رضا نے اسکو ترقی دی، یہ رسالہ مذہبی ہی اور اسکے ہر نمبر مین کلام پاک کی تفسیر اور کتب کے تبصرے و تنقیدین نکلتی ہین لیکن اشاعت بہت کم ہوتی ہی،

جنگ عظیم کے زمانہ مین اخباری دنیا کے متعدد شدید نقصانات اٹھائے ہین، مصر کے اخبار ہندوستان سے محبت، اور ترکی سے برادرانہ تعلقات رکھتے ہین، جس سے سیاسی نقصانات اکثر اخبارات نے اٹھائے اور گورنمنٹ نے اکثر مطبع ضبط کر لیے، الہلال ایک ہونہار اخبارون مین سے ہے،

عرب زیادہ تر اپنی خبرین قاہرہ سے لیتا ہے، خلافت کے زمانہ تک کوئی عمدہ اخبار نہ نکلتا تھا سوائے گورنمنٹ گزٹ کے جو اکثر بصرہ اور بغداد مین آتے تھے، ۱۹۱۶ء مین القبلہ مکہ سے نکلا لیکن طباعت اسکی قاہرہ سے ہوئی، یہ ایک سیاسی پرچہ تھا اور کچھ دنون تک اسکا بہت دور دورہ رہا جس کے پیچھے امراے مکہ کام کرتے تھے، سلطان ابن سعود کے زمانہ سے جب وہابیون نے زور پکڑا یہ اخبار قریب قریب بالکل بند ہو گیا ہی، اور ایک نیا اخبار ام القریٰ جاری ہوا ہے

مسوپٹامیہ مین حالت بہت ناگفتہ بہ ہے، بغداد جیسے مشہور شہر سے صرف پانچ اخبار نکلتے ہین اور بصرہ سے دو، لیکن اب اخبارون مین ترقی کی لہر دوڑنے لگی ہے، المفید اور الاستقلال سیاسی اخبار ہین جو گورنمنٹ اور دوسری سیاسی جماعتون پر تنقیدین لکھتے ہین،

(باقی)

"آئینۂ بخت"

از

جناب حافظ احمد علی خان صاحب شوق، سابق ناظم کتبخانہ رامپور

رامپور کے مشہور سرکاری کتبخانہ مین فارسی کتب تاریخ کے سلسلہ مین ایک قلمی تاریخ "آئینۂ بخت" نام موجود ہے جو اورنگزیب عالمگیر کے عہد کی ایک تصنیف ہے، اس کے مولف کا نام بختاور خان ہے، تقطیع کتابت ۷×۴ ایچ، سطر ۱۱، خط نستعلیق معمولی، نہایت پیوندکار، آب رسیدہ، اکثر جگہ سے حرف اڑ گئے ہین، کہین کہین صفحے بھی کم ہین، کتابت بھی بہت غلط ہے،

آغازِ کتاب "الحمد للہ ذی الجود بافضل انواع النعماء"

آغاز صفحہ ۲ "محی الدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی" اول صفحہ کسی اور کتاب کا ہے، اور اصل تاریخ دوسرے صفحہ سے شروع ہوئی ہے، مگر دیباچہ کے چند ورق نہین ہین، صفحہ ۳ مین مولف کہتا ہے،:- "در سجنجل ضمیر مؤلف این مجموعہ جامعہ تسمیہ آن آئینۂ بخت کہ ہم نام است وہم تاریخ" آئینۂ بخت کے عدد ایک ہزار اٹھتر (۱۰۷۸ھ) ہین یہ تاریخ کتاب کے شروع کرنے کی ہے، پھر لکھتا ہے:- کہ مین نے اس تاریخ کو جدید طرز پر ایک مقدمہ سات آرایش اور خاتمہ پر تقسیم کیا ہے، اور ہر آرایش مین چند نمایش ہین اور ہر نمایش مین چند نمود، لیکن آرایش ہفتم جس مین اورنگزیب کا ذکر ہے، اس کا نام بجائے آرایش کے پیرایش رکھا ہے، بہرحال اس کتاب مین بابر کے وقت سے شاہجہان کے عہد تک مختصر حالات ہین، اور عالمگیر کی دہ سالہ حکومت کے واقعات بالتفصیل ہین، آرایش اول مشتمل بر پنج نمایش، نمایش اول مین بابر بادشاہ کے مختصر واقعات ہین، واقعات کے علاوہ بابر کی تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے، رانا سانگا کی لڑائی مین شیخ زین خوانی مولفِ تاریخ بابری کی موجودگی بھی بیان کی ہے، نمایش دوم

مین ہمایون کے حالات ہین، نمایش سوم مین اکبر کے حالات اور ہر سال کے مجمل واقعات کا بیان ہے، نمایش چہارم مین جہانگیر کے حالات ہین، نمایش پنجم مین شاہجہان کا مختصر ذکر ہے، آرایش (بغیر نمبر) امین عالمگیر کے حالات ہین، اور مولف کہتا ہے "علت غائی اس تالیف کی عالمگیر کے حالات ہین" اور اس آرایش کو تین پیرایش پر تقسیم کیا ہے،

نمایش اول (غالباً کتاب کی غلطی ہے، پیرایش ہونا چاہئے) اس مین عالمگیر کے بادشاہ ہونے کے قبل کے واقعات اور دہ سالہ حکومت کے واقعات ہین، ۱۰۶۷ھ مین شاہجہان کی علالت کے وقت سے واقعات دہ سالہ شروع کئے ہین، ۱۰۶۸ھ مین عالمگیر تخت نشین ہوا، ہر سال کے واقعات بالتفصیل ۱۰۷۸ھ تک لکھے ہین، صفحہ ۳۴۴ کے بعد چند ورق کم ہین،

پیرایش دوم مین عالمگیر کے عادات وخصائل، اولاد کے نام، ممالکِ محروسہ کی کیفیت، سلاطین معاصر کے نام، اس پیرایش کو چار نمایشون پر تقسیم کیا ہے،

نمایش اول، اس مین عالمگیر کے شمائل کا بیان ہے، مورخ کہتا ہے کہ مین ہر وقت حاضرِ خدمت سلطانی رہتا ہون، اس لئے مجھے مفصل عادات پر اطلاع ہے، نمایش دوم مین اولاد کا ذکر ہے، اور نمایش سوم مین ممالک محروسہ کی مساحت کا بیان ہے، نمایش چہارم مین عالمگیر کے معاصر بادشاہون کا ذکر ہے،

نمایش ۳ کوئی ہندسہ نہین ہے، مشتمل بر دو نمود، نمود اول در ذکر مشائخ کرام صفحہ ۴۰۰، در ذکر علمائے این عصر

نمایش سوم (غالباً نمود کی جگہ غلطی سے نمایش لکھدیا ہے) خوشنویسون کے حالات،

نمود اول صفحہ ۴۰۸، بیان بعضے عجائب وغرائب ربع مسکون،

نمود دوم، ذکر برخے از آثار ہمیقدار این امیدوار کرم پروردگار،

بفضل الرحمان بختاور خان، اس مین اپنی تالیفات اور تصنیفات کو بیان کیا ہے،

نمود سوم مین اپنی تعمیرات کی تفصیل بیان کی ہے،

صفحہ ۴۱۴ سے بہ ترتیب حروف تہجی شعرا کے مختصر حالات اور ان کے اشعار کا انتخاب ہے،

صفحہ ۹۲۳ پر مرزا غازی ترخان کا حال ہے، جو جہانگیر کے عہد مین قندہار کا حاکم تھا، اسکی کتاب ساقی نامہ سے یہ تین شعر نقل کیے ہین،

بہ باغ ار فتد عکس از روے یار　　بود نوک ہر خار رشک بہار

بہ آب ار بشوید دو زلف سیاہ　　بتاثیر سنبل شود ہر گیاہ،

غرض کہ آغاز اور اختتام اور درمیان سے کتاب ناقص ہے،

راجہ جسونت سنگھ سے جب عالمگیر کا مقابلہ ہوا اس موقع پر لکھتا ہے:-

"وجامع این شگرف نامہ اضعف الانسان نجا ور خان کہ ہمہ اوقات باحراز سعادت خدمت حضور پر نور مستعد است دران وقت در رکاب بودہ شرف اندوز دولت مشاہدہ طلعت نورانی حضرت خلیفۃ الرحمانی بود"

شجاع کی جنگ مین عالمگیر کے ہمرکاب تھا، اجمیر مین دارا شکوہ کی مہم مین شریک تھا، ۳ ذیقعدہ سنہ ۱۰۶۹ھ مین بیالیس سالہ جشن وزن قمری عالمگیری مین اسکو خانی کا خطاب ملا، سال ہفتم جلوس عالمگیری مین مطابق سنہ ۱۰۷۴ھ ایک خاصہ کا گھوڑا مع ساز عطا ہوا، ملا عبد اللہ پسر ملا عبد الحکیم سیالکوٹی سے بہت دوستی تھی،

مؤلف اپنی تالیفات کے متعلق لکھتا ہے، کہ ایک تو یہی تاریخ آئینہ بخت ہے، اس کے علاوہ منطق الطیر عطار اور مثنوی مولانا روم کا انتخاب کیا، حکیم ثنائی، عطار اور مولانا روم کے کلام کا انتخاب کیا اور اس کی خود تاریخ کہی:- سہ

این نادرہ مجموعہ معنی کہ بصورت　　سرخوش قدحے پر ز مے دلکش و ناب است

چون گشت تمام از مدد طبع سخن یاب　　تاریخ شد........ لب سر کتاب است

اخیر مصرعہ مین کتابت سے کوئی لفظ رہگیا ہے،

تاریخ روضۃ الاحباب کا انتخاب کرکے اس کا تاریخی نام احباب نبی (۱۰۰۷) رکھا، تاریخ الفی کا انتخاب کیا اس کی یہ تاریخ کہی،

چون انتخاب کے است ز تاریخ احمدی، تاریخ جمع آن شدہ زان انتخاب کے

صائب کے دیوان کا انتخاب کیا اور اس کے ساتھ مجموعۂ نظم ونثر لگادیا، اس کا تاریخی نام ترتیب ...

.... (کاغذ یہاں کرم خوردہ ہے) ایک بیاض کلام نظم ونثر اساتذہ سے ترتیب دی جس کا نام دلکشا رکھا اور تاریخی نام "مجموعۂ شعر ہائے رنگین" رکھا، جس کے عدد ۱۰۰۰ ہیں،

مولف اپنی عمارتوں کے بیان میں لکھتا ہے کہ میں نے نواح شاہجہان آباد میں ایک سرائے بنائی اور اس کا نام بختاور نگر رکھا، سرخوش شاعر نے ذیل کی تاریخ کہی،

در ہمایون عہد عالمگیر شاہ، زیب تخت وتاج وفخر دین وداد

بہر تعمیر سرائے دلکشا، خان بختاور کف ہمت کشاد

چون شد این معمورۂ دلکش بنا دہر بختاور نگر نامش نہاد

خواست طبع سرخوش جام سخن سال اتمامش ز فیض بامداد

شاد وخوم زو برآمد راہ رو، گفت بختاور نگر آباد باد

بختاور نگر آباد باد کے اعداد ۱۰۹۵ ہیں، راہ رو کے عدد ۲۱۲ ہیں، ۲۱۲ عدد کے تخرجہ کے بعد ۱۰۸۳ عدد رہتے ہیں، اس کے سوا اور بھی تاریخیں اور عمارتوں کی پوری تفصیل لکھی ہے، جسمیں مسجد، حمام وغیرہ بھی ہے،

ایک باغ لگایا جس کی یہ تاریخ ہے،

در زمان شہ دین عالمگیر، کہ از وکفر شدہ مستاصل

خانہ جم مرتبہ بختاور خان منزلے ساخت منزّہ ز خلل

عقل میگشت پے تاریخش ، آمد از غیب بنا باغ محل ،
(۱۰۸۱ھ)

باغ کے متصل ایک پختہ تالاب بنایا، اس کی تاریخ ہے،

منبع فیض آمد آن سرچشمۂ آب بقا منبع الفیض ارشود تاریخ آن باشد روا
(۱۰۸۳ھ)

سرائے سے آدھے کوس پر ایک پہاڑی مین بند باندھکر پانی کو تالاب مین جمع کیا، بختاورنگر اور فرید آباد کے درمیان ندی تھی، اس کا پل بنایا، اسکی تاریخ ہے، "گذرگاہِ عالم" ۱۰۸۴ھ قدم رسول کے متصل بختاورپورہ نامی ایک عمارت بنائی، اس مین مسجد مع حوض تیار کرائی، مسجد کی یہ تاریخ ہے:۔

بختاورخان بعون فضل معبود مسجد بقدم رسول بر پا فرمود

تاریخ بنائے آن خرد ثبت نمود اندر قدم رسول شد جائے سجود
(۱۰۸۶ھ)

اس مسجد کے شمال مین اپنے لئے قبر بنوائی، اور قبر کے جنوب مین جماعت خانہ، عرس کی مجالس کے واسطے اور مہمانون کے قیام کے لئے عمارت بنائی، ایک کٹرا بھی وہان تعمیر کیا، اعز آباد مین ایک باغ تیار کیا جس کی تاریخ ہے،" بروے زمین بہشت" (۱۰۸۹ھ) لاہور مین باغ فیض بخش کے متصل ایک باغ لگایا، اس کی تاریخ ہے،" باغ عجب ۱۰۸۱ھ، شیخ نصیر الدینؒ چراغ دہلوی کے مزار کے پاس مسجد تعمیر کی، عالمگیر نے بھی اس مین نماز پڑھی، اس مسجد کی تاریخ ہے، فولِ وجھک شطر المسجد الحرام ۱۰۸۱ھ اس کے علاوہ آگرہ، لاہور، اور برہان پور مین بھی عمارتین بنائین، انکا ذکر مولف نے نہین کیا ہے،

عبدالرسول تخلص استغنا، شیخ کمال تخلص آفری (جس نے فتوحات بدائع واقعات عالمگیری کو بارہ ہزار بیت مین نظم کیا) اور تحسین شاعر ازاد لاد کمال خجندی وغیرہ شعرا نے بختاور خان کی مدح مین قصائد لکھے ہین:۔

فہرست کتب فارسی قلمی برٹش میوزیم سے معلوم ہوا کہ بختاور خان نے مرأت عالم نام تاریخ لکھی ہے، اس کی تصنیف کی تاریخ بھی آئینۂ بخت ہے، اور آرایش کے نام سے سات حصے ہین، ساتوین آرایش

کے حالات اور اس آئینۂ بخت موجودہ رام پور کے حالات یکسان ہین، اور فصلون کی تقسیم بھی وہی ہے، غالبًا ابتدا مین مؤلف نے صرف بابر سے عالمگیر تک کے حالات لکھے اور اس کا نام آئینۂ بخت رکھا، جیسا کہ دیباچہ سے ظاہر ہے، پھر اسکو وسعت دی اور مرأت عالم نام رکھا، اور سنہ تالیف آئینۂ بخت قائم رکھا،

برٹش میوزیم مین جو نسخہ مرأت عالم کا موجود ہے، اس کے خاتمہ پر اس کے متبنی فرزند (غالبًا ساقی مستعد خان) نے لکھا ہے کہ بختاور خان نے مختصر علالت کے بعد پندرہ ربیع الاولیٰ سنہ ایکہزار چھیانوے ہجری مین، احمدنگر مین انتقال کیا، اورنگزیب اس کے لئے بہت رویا، اور خود نمازِ جنازہ پڑھائی، اور بختاور پورہ مین اپنے تعمیر کردہ مقبرہ مین دفن ہوا، یہ ایک خواجہ سرا تھا،

سہارن پور کے کوئی بزرگ مرأت عالم کی تالیف کے مدعی بتائے گئے ہین، واللہ عالم بالصواب،

معارف:- صمصام الدولہ شاہنواز خان نے اپنی کتاب مآثر الامرا مین بختاور خان خواجہ سرا کا ایک جگہ ذکر کیا ہے، (مآثر الامرا جلد ۳ ص۹ کلکتہ) اور اس کی کتاب مرآۃ عالم کا حوالہ اپنی کتاب کے مقدمہ (ص۵ کلکتہ) بسلسلۂ مآخذ کتاب دیا ہے،

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کا قدیم تمدن

پنجاب اور سندھ کے آثار قدیمہ

عام خیال تھا کہ ہندوستان کے قدیم باشندے سنہ ۱۲۰۰ قبل میلاد مسیح تک بالکل وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے، اسکے بعد ایک نووارد قوم افغانستان وغیرہ سے آئی، اور اس نے ہندوستان مین تمدنی بیداری پیدا کی، لیکن مغربی ہندوستان کے شمالی حصے بالخصوص وادی سندھ مین جو آثار قدیمہ دریافت کئے گئے ہین، انھون نے ہمارے اس خیال کو بالکل بدل دیا ہے، اور نہر سندھ کے مغربی کنارے پر سرجان مارشل نے آثار قدیمہ کے جو چھپے ہوئے خزانے زمین کے اندر سے نکالے ہین، ان سے ایسے شہرون کا پتہ چلتا ہے جنمین سب سے قدیم شہر کی تاریخ چار ہزار سال قبل مسیح ہی اور اسکی تاریخ کا سرکاری تخمینہ ۳۰۰۰ قبل مسیح کیا گیا ہی،

سب سے عجیب بات یہ ہی کہ ہم کو ہندوستان مین ایسے شہرون کے آثار ملتے ہین جنکی تاریخی قدامت پانچ ہزار سال کی ہے، اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ ان شہرون کا طرز زندگی بالکل موجودہ زمانے کے طرز زندگی سے ملتا جلتا ہوا ہے، موہنجو دارو کے آثار دریافت ہونے سے پہلے یہ کسکو خیال تھا کہ پتھر کے مکانات مین جن کا سلسلہ تنگ اور کشادہ سڑکون کے دونون کنارون پر چلا گیا ہی، اس دور افتادہ زمانے مین اسقدر نزاکت، اسقدر پائداری اور اسقدر شان پائی جا سکتی ہی کہ مصر و عراق مین بھی ان کی نظیر نہین ملتی،

زمین کے نیچے جو تمدن دفن ہے، اسکی تحقیقات مین بعض یورپین لوگون نے بڑی ناموری حاصل کی ہی،

لیکن اس سلسلہ مین ہندوستان کے محکمۂ آثار قدیمہ کے ایک متوسل کو جس کا نام بنرجی تھا، ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء کے موسم سرما مین ایک مندر کی تاریخی تحقیقات مین اسی قسم کی ایک نمایان کامیابی حاصل ہوئی، چنانچہ اثنائے تحقیقات مین اس کو چند سکے ملے، جن سے اوس کو معلوم ہوا کہ دوسری صدی عیسوی مین یہان بعض بدھ سنیاسی رہتے تھے، اوس نے مندر کی بنیادون کی تحقیقات کی تو اور بھی حیرت زدہ ہوا، کیونکہ اوس کو پختہ اینٹون سے بنی ہوئی ایک ایسی مضبوط عمارت کا پتہ چلا، جو مندر کی دیوارون کی اینٹون سے مشابہ تھی، پھر اوسکو چند مہرین ملین، جو اس سے پہلے صرف عراق کے شہرون مین مل چکی تھین، جن سے اوس نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ زیر خاک عمارتین نہایت قدیم زمانے کی ہین، سر جان مارشل نے بھی گذشتہ سال اسی قسم کی مہرین ہارپا مین پائی تھین، جو موہنجو دارو سے ۴۰۰ میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے، ان تمام باتون سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان کے قدیم تمدن کی بہت سی یادگارین ہندوستان کے مغربی شمالی حصے مین زمین کے اندر چھپی ہوئی ہین، اور اس طرح ان دونون مقامات (موہنجو دارو اور ہارپا) مین مسلسل تحقیقات کی گئی، تو ہندوستان کے قدیم تمدن کے متعلق بہت سی اصولی باتین معلوم ہوئین،

ایک قدیم حمام موہنجو دارو سندھ مین اور ہارپا پنجاب مین واقع ہے اور دونون چار سو میل کے فاصلے پر واقع ہین، ان دونون مقامات مین تحقیقات کیگئی، تو ایسے آثار کا پتہ چلا، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر ۵۰۰۰ سال سے زیادہ زمانہ سے آباد تھے، ان تمام آثار مین سب سے زیادہ عجیب ایک شاندار عمارت کا سراغ ملا، جسکے اندر ایک بڑا حوض تھا، جس سے یا تو حمام کا کام لیا جاتا تھا، اور بعض مذہبی تہوارون کے موقع پر اوس مین نہان ہوتا، یا گھڑیال یا بعض مقدس مچھلیان پائی جاتی تھین، اس حوض کا طول ۳۹ انچ، عرض ۲۳ انچ اور عمق آٹھ انچ تھا، پانی مین اوترنے کے لئے اوس کے دونون جانب سیڑھیان لگی ہوئی تھین، حوض کی زمین اور دیوار پر پتھر جڑے ہوئے تھے، جن پر نہایت نازک اور پائدار کام بنا ہوا تھا، دیوارین پختہ اینٹ کی بنی ہوئی تھین اور گارے سے جڑی ہوئی تھین، اور اندرونی دیوار کے اوپر تارکول لگا ہوا تھا تاکہ پانی نہ اثر کر سکے، حوض کے متصل ایک نالہ بنا ہوا تھا جس پر چھ انچ اونچا پل بندھا ہوا تھا، اور اس نالے کے ذریعہ سے حوض کا پانی شہر کے باہر بہایا جاتا تھا، اسی

حمام کے قریب اُسی کے مشابہ ایک اور حمام بھی تھا لیکن وہ شکستہ ہو چکا تھا،

اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے مکانات اور دوکانیں دریافت ہوئین، کلدانیون کے شہر اُر مین بھی اسی قسم کی عمارتین نکلی ہین، لیکن یہ موہنجو دارو کی عمارتون کا مقابلہ نہین کرسکتین، بالخصوص وہان ایسے نالے نہین پائی جاتے جو مختلف حمامون سے گندے پانی کو ایک حوض مین جمع کرکے شہر کے باہر بہا دین،

وضع لباس | پالی زبان مین روئی کو "سدھو" اور یونانی زبان مین "سندن" کہتے ہین، اور ان دونون الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ وادی نہر سندھ روئی کی کاشت کا اصلی مرکز تھا، اور اس لحاظ سے یہان صنعت پارچہ بافی کو خاص طور پر فروغ حاصل تھا، اور ان نو دریافت شہرون کے کھنڈرون مین کپڑون کے جو بعض ٹکڑے ملے ہین، اون سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ مرد کمر مین دھوتی باندھتے تھے، اور سادہ یا زربفت کے کام کی چادر شانے پر ڈالتے تھے، اور داڑھی اور مونچھ کبھی کبھی مونڈ ڈالتے تھے اور کبھی کبھی رکھ لیتے تھے، سر کے بال کو اکھٹا کرکے جوڑا باندھتے تھے، لیکن ایک عورت کا ایک ایسا مجسمہ ملا ہے جسکے بال دونون شانون پر بکھرے ہوئے ہین، تاہم یہ نہین کہا جا سکتا کہ یہ اس وقت کی عام وضع تھی، لیکن ادنیٰ طبقہ کے لوگ بالکل برہنہ رہتے تھے، اور عورتین صرف اس قدر کپڑا استعمال کرتی تھین جس سے اون کی ستر پوشی ہو سکے، بلکہ ایک رقاصہ کا مجسمہ بالکل برہنہ حالت مین پایا گیا، لیکن ہر طبقہ کے مرد اور عورت مختلف قسم کے زیور مثلاً ہار، انگوٹھی اور جنیوا استعمال کرتے تھے، البتہ پازیب عورتون کا مخصوص زیور تھا،

مویشی | بیل، بھینس، بکری، سور، کتا، گھوڑا، اور ہاتھی، ہندوستانیون کے پالو جانور تھے، اونٹ اور بلی کا پتہ نہین چلتا، جنگلی جانورون مین چیتے اور ہاتھی کا پتہ چلتا ہے، شیر کا نہین چلتا،

زراعت | زراعت اور آبپاشی کے طریقون کا جو پتہ چلا ہے وہ مبہم اور غیر واضح ہے، البتہ موہنجو دارو مین گیہون کے جو اقسام دریافت ہوئے ہین، وہ وہی ہین جو اب تک پنجاب مین پائے جاتے ہین لیکن سالانہ بارش اوس سے زیادہ ہوتی تھی، جسقدر سندھ اور پنجاب مین اب ہوتی ہے،

غذا ان دونون شہرون کے باشندون کی غذا یہ تھی، دودھ، روٹی، گائے، بکری اور سور کا گوشت کچھوا، نہر سندھ کی تازی مچھلی، اور خشک مچھلی جو سمندر سے آتی تھی، اور اس کا ثبوت اون مختلف قسم کی ہڈیون سے ملتا ہے، جو مختلف گھرون مین پائی جاتی ہین،

زیورات امرار سونے، چاندی، ہاتھی دانت، عقیق، یشب اور مختلف رنگین پتھرون کا زیور پہنتے تھے لیکن غریب لوگ سیپ وغیرہ کے زیورات استعمال کرتے تھے، چنانچہ اس قسم کے ہار، بالیان اور خالص سونے کی سوئیان بکثرت دستیاب ہوئی ہین، اور اس قدر صاف و شفاف ہین، کہ اس زمانے کے بڑے بڑے سونار اون پر فخر کرسکتے ہین،

اوزار اور ہتھیار سونے چاندی کے علاوہ اور بھی بہت سی دھاتین مختلف کامون مین استعمال کی جاتی تھین، مثلاً ہتھیار اور خانگی استعمال کے برتن اور آرایش کے سامان پیتل سے بنائے جاتے تھے اور اوس کو مغرب مین بلوچستان، مشرق مین راجپوتانہ اور شمال مین افغانستان سے لاتے تھے، البتہ قلعی ہندوستان مین کمیاب تھی، اس لئے غالباً وہ خراسان وغیرہ سے لائی جاتی تھی، لیکن خالص قلعی کا استعمال نہین کرتے تھے، بلکہ اوسمین پیتل ملاکر کانس بناتے تھے، اور اوس سے تیز ہتھیار مثلاً آرہ، چھوٹے چھوٹے مجسمے اور معمولی زیور بناتے تھے، اگرچہ کانس کو خالص پیتل پر تفوق حاصل ہے، تاہم چونکہ وہ ایک کمیاب دھات تھی، اسلئے اوس کا استعمال بہت کم ہوتا تھا،

لیکن جو اوزار اور ہتھیار دستیاب ہوئے ہین، اون کی نوعیت صرف چند پھاوڑون، تبرون، تیرون، اور نیزون سے متجاوز تھین، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان شہرون کے باشندے جنگجو اور مرد میدان نہ تھے، اس کے ساتھ بہت سے پتھر کے اوزار بھی دستیاب ہوئے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر حجری کی یادگارین بھی اون مین موجود تھین یہ لوگ سمندر کے کنارے سے سیپ بھی لاتے تھے، اور اسکو مختلف زیورات مین استعمال کرتے تھے،

برتن لیکن گھر کے معمولی برتن زیادہ تر مٹی کے ہوتے تھے جنکی شکلین مختلف ہوتی تھین، اور اون مین صنعتی نفاست پائی جاتی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صنعت اون مین نہایت قدیم زمانے سے پائی جاتی تھی، اور اس

اوس پر اسقدر زمانہ گذر چکا تھا کہ اوسمین نفاست اور پختگی آگئی تھی، لیکن اون مین اگرچہ چند برتن منقش اور رنگین ہوتے تھے، لیکن زیادہ تر تعداد سرخ اور غیر منقش برتنون کی تھی، اوران پر جو نقش و نگار بنائے جاتے تھے، وہ زیادہ تر ہندسون کے اعداد اور بعض جانورون کی تصویرون سے تعلق رکھتے تھے، موہنجو دارو مین ایک برتن ایسا بھی ملا ہی جس پر سرخ سیاہ اور سفید نقش بنا ہوا تھا،

تحریر و کتابت ہر عمارت مین کچھ مہرین بھی ضرور ملتی ہین اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہان کے باشندے فن تحریر سے واقف تھے، اور غالباً اوس سے تجارتی کاروبار مین کام لیتے تھے، لیکن یہ مہرین صرف پختہ مٹی پر ملی ہین، اس لئے ہم یہ نہین بتا سکتے کہ اوس کے علاوہ وہ اور کن چیزون پر لکھتے تھے، لکڑی اور بعض درختون کی چھال سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا، (مقتطف بابت فروری ۱۹۳۲ء) "ع"

محقق طوسی

بعض مذہبی خیالات اور بعض سیاسی واقعات نے اگرچہ محقق طوسی کو عام اسلامی جماعت مین سخت بدنام کر دیا ہے تاہم اون کی علمی خدمات سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا، بالخصوص ہلاکو خان کے دربار مین ایک رکن سلطنت کی حیثیت سے اونھون نے جو اہم علمی خدمتین کی ہین، اون کا احسان مسلمانون کے سر پر ہمیشہ رہے گا،

محقق موصوف ۵۹۷ھ مین بہ مقام طوس پیدا ہوئے اور کمال الدین بن یونس موصلی، اور عین المعین سالم بن بدران المعتزلی سے جو امامیہ مذہب رکھتے تھے، تعلیم حاصل کی، تعلیم حاصل کرنے کے بعد غالباً معاش کی ضرورت یا سیاسی اغراض سے وہ اکثر قہستان اور بغداد کا دورہ کیا کرتے تھے، اور اس سلسلے مین انھون نے معتصم کی مدح مین ایک قصیدہ بھی لکھا تھا، لیکن معتصم کے ایک وزیر نے اوسکو اپنی ذاتی مصلحت کے خلاف سمجھا، اور حاکم قہستان کے پاس کہلا بھیجا کہ محقق موصوف کی نگرانی کرنی چاہئے، بہرحال اس حالت مین ایک مدت تک اونھون نے قلعہ موتی مین زندگی بسر کی، اور اسی قلعہ مین انھون نے ریاضی کی اکثر کتابین لکھین، غالباً یہ محقق موصوف کی

نظربندی کا زمانہ تھا، جو ساتوین صدی کے نصف حصے تک قائم رہا لیکن اوسکے بعد ہلاکو خان نے محقق موصوف کی نہایت قدرومنزلت کی، اور انکو اپنے ممالک مقبوضہ کے تمام اوقاف کا متولی بنادیا، اور محقق موصوف نے اوقاف کی آمدنی سے ایک نہایت عمدہ کتبخانہ قائم کیا، جسمین تخمیناً چار لاکھ کتابین جمع کین مشہور ہے کہ جب ہلاکو خان نے بغداد وغیرہ پر حملہ کیا تو اس حملہ مین بغداد و شام کا تمام علمی سرمایہ ضایع ہوگیا اور اسقدر کتابین دریا برد کیگئیں کہ مورخین کا بیان اگر مبالغہ آمیز نہ سمجھا جائے تو دجلہ کا تمام پانی سیاہ ہوگیا لیکن محقق موصوف کا سب سے بڑا علمی احسان یہ ہے کہ اس غارتگری مین جو کتابین برباد ہوئی تھین، اون کا بچا کھچا حصہ انھون نے اس کتبخانہ کے ذریعہ سے محفوظ کرلیا، اور اسمین زیادہ تر وہی کتابین جمع کین، جو اس لوٹ مار مین ہاتھ آئی تھین،

ان اوقاف کی آمدنی سے اونھون نے دوسرا علمی کام یہ کیا کہ مراغہ مین ایک رصدگاہ قائم کی جس مین علم ہیئت کے متعلق نہایت عمدہ آلات جمع کئے اور بڑے بڑے ریاضی دانون کو اس علمی کام کے لئے مامور کیا، چنانچہ خود محقق موصوف نے زیج الایلخانی مین لکھا ہے کہ مین نے رصدگاہ کے قائم کرنے کے لئے حکما کی ایک جماعت کو جمع کیا، مثلاً دمشق سے موید عرضی کو، موصل سے فخر مراغی کو تفلیس سے فخر خلاطی کو اور نجم دبیران قزوینی کو، اور ہم سب نے ۶۵۷ھ مین اس رصدگاہ کی بنیاد ڈالی، آثار باقیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محی الدین مغربی بھی اس علمی جماعت مین شامل تھے، اور اون کے شامل ہونے کی تقریب یہ ہوئی کہ جب ہلاکو خان نے حلب پر قبضہ کیا، تو اوس نے ایک شخص کی آواز سُنی، جو پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ مین نجم ہون، ہلاکو خان کو محقق موصوف کے علمی ذوق اور اس رصدگاہ کے قیام کا حال معلوم تھا اسلئے اوس نے اون کو فوراً مراغہ مین محقق موصوف کی خدمت مین بھیج دیا، اور وہ اس علمی جماعت مین شامل ہوگئے،

ان خدمات کے ساتھ محقق موصوف ذاتی طور پر ایک خاص علمی آدمی تھے، اور ہمیشہ تحقیق و مطالعہ مین مصروف رہتے تھے، اونھون نے عربی اور فارسی مین نہایت کثرت سے کتابین لکھی ہین، اور عقلی علوم مین سے تقریباً ہر فن مین لکھی ہین، لیکن اون کی شہرت زیادہ تر علوم ریاضیہ مین ہے، اور انھون نے اس علم کی ہر شاخ پر اس کثرت سے کتابین لکھی ہین، جنکے نامون کی تفصیل کے لئے کئی صفحے درکار ہین، لیکن محض نامون سے ناظرین معارف کی

دلچسپی مین کوئی اضافہ نہین ہو سکتا، اسلئے ہم اُن کی خصوصیات کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہین،

(۱) ان تصنیفات کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اوّل اوّل علم مثلثات مین اُنھون نے ایک مستقل علم کی حیثیت سے کتاب لکھی،

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہو کہ اُنھون نے اس علم کے متعلق چند واضح اور آسان نظریے قائم کئے،

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اُنھون نے بعض مشہور ریاضی دانون مثلاً ثابت اور ابوالوفا کے نظریات کا اقتباس ان کتابون مین شامل کیا،

(۴) چوتھی خصوصیت یہ ہو کہ یورپ نے بھی ان تصنیفات کی قدر کی اور ان مین بعض کتابون کے ترجمے فرنچ اور اٹالین زبانون مین ہوئے،

محقق موصوف نے ۶۷۲ھ مین بمقام بغداد وفات پائی اور مشہد کاظم مین دفن ہوئی (مقتطف بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۳۱ء)

"ہماری بغاوت کے اسباب"

"ع"

عنوان بالا کے ماتحت حال مین "نیو لیڈر" نے ایک انعامی مقالہ شایع کیا ہے، نوجوانون کے ایک بڑے گروہ مین موجودہ نظام سرمایہ داری کے خلاف جو شورش برپا ہے، یہ مضمون اسی کی ترجمانی کرتا ہے "نیو لیڈر" انگلستان کی مزدور جماعت کا ایک اخبار ہے، لیکن سرمایہ داری سے بیزاری کے جو اسباب مقالہ نگار نے پیش کئے ہین، وہ ضرور قابل لحاظ ہین، امید ہو کہ اس مضمون کا ترجمہ ناظرین کے لئے دلچسپ ہوگا:-

"ہم غیر مطمئن ہین، محض اس بنا پر کہ بعض چیزین وجود رکھتی ہین، ہم خواہ مخواہ انھین قبول نہین کر سکتے، شاید ہم نوجوان لوگ سادہ دل ہوتے ہین، تاہم کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ ہم نظام سرمایہ داری کے اصول کو یہ سمجھ کر قبول کر لین، کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا نظام ہو ہی نہین سکتا، اسی طرح ایک ایسے نظام کے امکان سے انکار کرنے کی بھی کوئی علت نظر نہین آتی، جو نسبتہً اصول عدل سے قریب تر ہو، چونکہ ہم یقین کرتے ہین، کہ ایک بہتر نظام ممکن ہے، اس لئے ہمین اُس انقلاب کا خوف نہین ہے، جس کا ہراس موجودہ دور مین لوگون

کے دل و دماغ پر مستولی ہی۔"

ہم نظام سرمایہ داری سے برگشتہ ہین، کیونکہ یہ ایک متمدن قوم کے نظام معیشت مین ناکام ثابت ہوا ہے اسکی ناکامی اخلاقی بنیاد پر مبنی ہے، لاکھون اشخاص ایسے ہین جو کام کی تلاش مین ہین لیکن انھین کوئی کام نہین ملتا، ایسے لوگ بھی ہین جنھین کام تو ملتا ہے مگر ان کی محنت کا پورا معاوضہ نہین ملتا، برخلاف اس کے بہتیرے وہ لوگ ہین جو کچھ کام نہین کرتے لیکن عیش و عشرت مین زندگی بسر کررہے ہین، بنیادی ناانصافی یہ ہو کہ کام کرنے کیلئے آمادہ ہونے ہی سے کوئی شخص کام پانے اور وسائل معیشت کو حاصل کرنے کا مستحق نہین ہوجاتا، ان وسائل پر تصرف انھی چند افراد کو حاصل ہی، جو اس حق معیشت کو سب سے زیادہ قیمت ادا کرنے والون کے ہاتھ فروخت کرتے رہتے ہین،

لیکن سرمایہ داری کی اخلاقی کمزوریان اس کی اقتصادی کمزوریون سے علٰحدہ نہین کیجا سکتین، ایک بے روزگار نان بائی دیکھتا ہے کہ اُس کی بے روزگاری کا سبب کچھ تو یہ ہو کہ اُس کے ہم پیشہ دوسرے نان بائی زیادہ سامان تیار کرنے لگے ہین، اور کچھ یہ کہ اُس جیسے بے روزگار لوگون مین خریداری کی استطاعت کم ہوگئی ہی، چنانچہ وہ مشینری اور بے روزگاری کو دنیا کے لئے عذاب الٰہی تصور کرنے لگتا ہے،

بے روزگاری کا سبب یہ ہے کہ لوگون مین سامان معیشت پیدا کرنیکی قوت بمقابلہ پہلے کے اب زیادہ ہوگئی ہے، لیکن اس کے استعمال کی استعداد (یعنی آمدنی) مین اُسی مناسبت سے ترقی نہین ہوئی ہی، جیسا کہ بارہا کہا جاچکا ہی، "نظام سرمایہ داری نے پیداوار کا مسئلہ تو حل کردیا ہے، لیکن تقسیم کے مسئلہ مین یہ ناکامیاب ثابت ہوا"، مزدور سب کی ضروریات کے لئے کافی سامان پیدا کردیتے ہین، لیکن خود اپنی ضروریات پوری نہین کرسکتے، کیونکہ جو معاوضہ اُنھین ملتا ہے، وہ اس بات کے لئے کافی نہین ہوتا کہ خود اپنی پیدا کی ہوئی چیزین خرید سکین،

ضرورت سے زیادہ جو سامان ہوتا ہے، وہ ان ملکون مین بھیج دیا جاتا ہے، جہان صنعت و حرفت پر زور نہین دیا جاتا، مختلف ممالک اپنے اپنے فاضل مال کو ان غیر صنعتی ملکون کے بازارون مین نکالنے کی کوشش کرتے ہین، انہین جھگڑے پیدا ہوتے ہین، توسیع سلطنت کا خیال ظہور پذیر ہوتا ہے اور بالآخر نوبت جنگ کی آتی ہی

غیر صنعتی ممالک اس فاضل مال کے عوض خود کوئی مال نہیں دیتے، یہ ضرور ہے، کہ وہ بھی اپنا مال صنعتی ملکوں کے مال کے عوض باہر بھیجتے ہیں، لیکن یہ مال اُن کے لئے فاضل نہیں ہوتا، اور نہ اُس فاضل مال کا بدلہ ہوتا ہے جو صنعتی ملکوں سے اون کے بازاروں میں آتا ہے،

جب تک دنیا کا بازار پھیلتا رہے گا، یہ نظام بھی نسبتہً کامیابی کے ساتھ جاری رہے گا، لیکن دنیا کا بازار غیر محدود حد تک پھیلتا نہ جائے گا، وقت آرہا ہے جب اس کی وسعت اپنی انتہائی حد تک پہنچ چکے گی، اس وقت تمام تجارتی ملکوں کو معلوم ہوجائے گا، کہ اُن کی منڈیاں ختم ہوچکیں، فاضل مال گوداموں میں پڑا ہوا ہے قیمتیں کم ہوگئیں، پیداوار گھٹ گئی، بے روزگاری بڑھتی جارہی ہے، خود اپنا ملکی بازار بھی سرد پڑ رہا ہے، اور پہلے سے زیادہ فاضل مال کا ڈھیر لگ گیا ہے، یہ وقت ہوگا جب منافع کم ہوجائیگا ٹیکس کی آمدنی گھٹ جائے گی، بے روزگاری کو دور کرنے کے مصارف بڑھ جائیں گے، بجٹ کا توازن قائم نہ رہے گا، دنیاے مالیات کا اعتبار جاتا رہے گا، اور اس اعتبار کے ساتھ پورا نظام درہم دبرہم ہوجائے گا،

مزدوروں کو جو اجرت ملتی ہے، وہ اس قدر ناکافی ہوتی ہے، کہ اوس سے وہ خود اپنی پیدا کی ہوئی چیزیں بھی خرید نہیں سکتے، سرمایہ داری کے اس نظامِ اجرت کو توڑنا ضروری ہے، ہمیں مال اس لئے نہ پیدا کرنا چاہئے کہ اُسے فروخت کرکے اوس کی آمدنی سرمایہ دار اور مزدور میں تقسیم کردی جائے، بلکہ پیداوار کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اوس کے ذریعہ سے تمام افرادِ قوم کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں، سرمایہ داری کے خلاف ہماری بغاوت کے اسباب یہ ہیں کہ اوس کے نتائج نے ہمیں بیزار کرکے نہ صرف ایک تخریبی تنقید پر مجبور کیا ہے، بلکہ ہم میں تعمیری کام کی بھی خواہش پیدا کردی ہے، اور ہم امید کرتے ہیں، کہ ایک بین الاقوامی اشتراکیت قائم کرلیں گے،

"ع ز"

اخبار علمیہ

میسور میں چھ ہزار سال کے آثارِ قدیمہ

اسٹیٹسمین کی اطلاع ہے کہ ریاست میسور میں چتالدرگ کے قریب جو وادی چندراولی میں واقع ہے نہایت اہم آثار قدیمہ دستیاب ہوئے ہیں، وہاں کی زمین کھودنے سے متعدد طبقاتِ ارض کا پتہ چلا ہے جو کسی زمانہ میں آباد تھے، ان میں سے بعض آٹھ سو اور بعض چھ ہزار سال قدیم ہیں، ان آثار کی اہم ترین چیزوں میں راجہ میورا سرمن (MAYURASARMAN) کا ایک کتبہ ہے جو ایک چٹان پر لکھا ہوا ہے، یہ پراکرت زبان میں ہے اور اسکا سنہ کتابت ۲۰۰ء خیال کیا جاتا ہے، اسمیں راجہ نے متعدد سربرآوردہ فرمانرواؤں پر جنمیں سے بعض اُس وقت شمالی ہند میں شہرت رکھتے تھے، اپنی فتحیابی کا ذکر کیا ہے، اکتشافات کو دیکھنے سے چھ مختلف طبقوں کے آثار معلوم ہوتے ہیں، پست ترین طبقہ میں عہد حجری اور عہد آہنی کے لوگوں کے آثار ملے ہیں، اس زمانہ کے مٹی کے برتنوں سے جو برآمد ہوئے ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ فن کوزہ گری میں حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے، یہ چیزیں زیادہ تر قبرستان کے قریب پائی گئی ہیں جہاں کثرت سے سنگی تابوت بھی دستیاب ہوئے ہیں، اُن کے علاوہ چقماق اور دوسرے اقسام کے پتھروں کے بنے ہوئے مختلف آلات اور اوزار بھی ملے ہیں جو اپنی صنعت کے لحاظ سے بہت خوب ہیں، ان میں سے چاقو کے پھل اور کھرپے زیادہ صفائی سے بنے ہیں، بعض حصوں میں پتھر اور دھات دونوں طرح کے آلات برآمد ہوئے ہیں، ان کے متعلق خیال ہے کہ یہ اب سے چھ ہزار سال قبل کے ہیں، اس طبقہ سے اوپر جو طبقہ ہے اس کی قدامت کا اندازہ دو ہزار سال سے تین ہزار سال تک کیا جاتا ہے، اس میں علاوہ مٹی کے برتنوں کے ایک سنگی نہر پائی گئی ہے جس کی چھت محرابی ہے، اس میں اینٹ کا بنا ہوا ایک نل لگا ہے جس کا قطر پانچ

تیج ہے، پانی اس نل سے ہوکر ایک خوبصورت سنگی حوض مین گرتا تھا، اس طبقہ کے آثار سے صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل وہان خاندان ستاواہن (SATAVA HANS) حکمران تھا، اس مین شبہہ نہین کہ اس مقام پر ان لوگون کا ایک شہر آباد تھا، کیونکہ وہان ایسے متعدد سکّے اور بھرن ملی ہین جنپر ان راجاؤن کے نشانات ہین، ان کے علاوہ چھوٹے بڑے ہر قسم کے خوبصورت مجسّمے اور دوسری چیزین سونے اور ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ان جگھون مین پائی گئی ہین جنکی ظاہری شکل سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور وہان کسی ستاواہن راجا کا محل رہا ہوگا، لیکن ان سب سے بالاتر وہ طبقہ ہے جو خاندان ہوسلا (HOYSALA) کے نام سے موسوم ہے، یہ مشہور خاندان گیارہوین اور تیرہوین صدی عیسوی کے درمیان میسور مین حکومت کرتا تھا، وہان بھی بہت سے سکّے، مجسمے اور دوسرے آثار قدیمہ دستیاب ہوئے ہین،

ترکی صحافت کی تاریخ

اب سے چند ماہ قبل قسطنطنیہ مین صحافت کی صد سالہ یادگار کے سلسلہ مین ایک نمایش منعقد کیگئی تھی، مینچسٹر گارجین کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ ترکی مین صحافت کی بنیاد اوّل اوّل دو غیر ملکی اشخاص نے رکھی جنمین سے ایک فرانسیسی اور دوسرا انگریز تھا، لیکن اس تحریک کا اصل محرک اور سرپرست سلطان محمود ثانی تھا جسنے اپنی فہرستِ اصلاحات مین صحافت کو شامل کرکے ایک فتویٰ اس مضمون کا شائع کرایا کہ اخبارات شرعاً ناجائز نہین اور ان سے ملک کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے، سب سے پہلے جس کو اخبار نکالنے کی اجازت ملی وہ بلیک بے (BLACQUEBEY) نامی سمرنا کا ایک فرانسیسی تھا اور پہلا ترکی اخبار "تقویم وقائع" اسی کے اخبار "مونیٹیر اوٹومن" (MONITEUR OTTOMAN) کا ترکی اڈیشن تھا، یہ استنبول سے شائع ہوتا تھا اور اس کا پہلا نمبر ۱۳ اکتوبر ۱۸۳۲ء کو نکلا تھا، اس کے بعد ہی چرچل (CHURCHILL) نے جو انگلستان کے اخبار مورننگ ہرلڈ کا نامہ نگار تھا، اجازت حاصل کی، یہ اجازت جس طریقہ سے حاصل کی گئی وہ بھی تاریخِ صحافت مین ایک نہایت عجیب واقعہ ہے، ایک روز شکار مین اتفاقاً چرچل کے ہاتھ سے ایک ترکی بچہ

زخمی ہوگیا، اس جرم میں وہ قید کردیا گیا۔ اس وقت سلطنت ترکی مین غیر ملکی باشندون کو بعض مخصوص حقوق حاصل تھے، چنانچہ اُن کے لیے علیحدہ عدالتین بھی قائم تھین جنمین اُنہی کے ہم قوم جج اور مجسٹریٹ ہوا کرتے تھے، چونکہ چرچل کی گرفتاری اور قید بغیر ان عدالتون کے وسیلہ کے عمل مین آئی تھی اس لیے اُن تمام حکومتون نے جنکو یہ حقوق حاصل تھے نہایت زور کیساتھ صدائے احتجاج بلند کی اور بالآخر سلطان نے چرچل کو رہا کرکے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے ساتھ تلافی مافات کردینی چاہئے، چرچل نے ایک اخبار نکالنے کی اجازت چاہی، اور اوسکو یہ اجازت عطا کی گئی، چنانچہ اس اجازت کی بنا پر دوسرا ترکی اخبار "جریدہ حوادث" ۱۸۴۵ء مین جاری ہوا، یہی زمانہ جنگ کریمیا کا تھا، "جریدہ حوادث" مین سرکاری اطلاعات وبیانات شائع ہوتے تھے اور یہ پہلا اخبار تھا جس نے ترکون مین اخبار بینی کا ذوق پیدا کیا، لیکن ترکی صحافت ہنوز تمامتر حکومت ہی کے زیر اثر تھی، اعیاپے جو پہلے ایک صوبہ کا گورنر بھی رہ چکا تھا، پہلا ترک تھا جس نے صحیح معنون مین ایک ترکی اخبار جاری کیا، یہ اخبار جسکا نام "ترجمان" تھا اور جو ۱۸۵۹ء مین جاری ہوا پہلا ترکی اخبار تھا جو حکومت یا غیر ملکی اشخاص کی مدد کے بغیر صرف ترکون کے روپیہ سے نکلا اور جس نے ترکی قوم کے خیالات کی ترجمانی کو اپنا نصب العین قرار دیا، "ترجمان" کے اجرار سے ترکی صحافت کا دور جدید شروع ہوتا ہے کیونکہ اُس کے بعد ہی سیاسی خیالات کی وہ رو جو یورپ مین تیزی کیساتھ پھیل رہی تھی ترکی مین بھی پہنچی اور وہان کے اخبارات مین روز بروز سیاسی آزادی کا رنگ غالب نظر آنے لگا،

برٹش میوزیم مین چند جدید فارسی و عربی مخطوطات

حال مین برٹش میوزیم نے عربی اور فارسی کے دس نادر قلمی نسخے حاصل کئے ہین جنمین سے ایک عربی اور نو فارسی ہین، فارسی مخطوطات مین بہترین حضرت فریدالدین عطارؒ کے کلیات ہین جنکے صفحات زرین نقش ونگار سے آراستہ ہین، دوسرے نسخے حسب ذیل ہین:-

(۱) غزلیاتِ امیر خسرو، مکتوبہ سلطان علی مشہدی، مشہور خوشنویس ۸۸۶ھ (۱۴۸۱ء)

(۲) منظوماتِ امیر خسرو، منقولہ ۹۰۳ھ (۱۴۹۷ء)

(۳) امیر خسرو کی دو نظمین "ہشت بہشت" و "آئینۂ اسکندری" اُنیس رنگین تصویرون کے ساتھ، سترہوین صدی مین نقل کیگئین،

(۴) "ہفت اورنگ" جامی، مع رنگین تصاویر، منقولہ ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء)

(۵) مثنوی "گل و نوروز" از جلال طبیب، ابتدائی سولہوین صدی مین لکھی گئی،

(۶) غزالی مشہدی کی ایک عارفانہ فارسی نظم جو ۱۶۰۱ء مین نقل کیگئی،

(۷) دیوان غنی، اٹھارہوین صدی،

(۸) اٹھارہوین صدی کا ایک نسخہ جسمین علم ہیئت پر دو فارسی رسالے ہین،

(۹) کتاب زبور عربی زبان مین، اٹھارہوین یا ابتدائی اُنیسوین صدی کی لکھی ہوئی،

ان کے علاوہ ابو عبداللہ المصعب ابن عبداللہ ابن المصعب کی تالیف "انساب القریش" کا ایک نفیس نسخہ بھی میوزیم کو دستیاب ہوا ہے، اس مین قریش کے نسب اور اسلام سے قبل عربون کی تاریخ سے متعلق بہت مفید معلومات ہین، جہانتک معلوم ہے اس کتاب کا صرف ایک اور قلمی نسخہ موجود ہے، اور وہ بوڈلین لائبریری مین ہے، لیکن یہ نسخہ بوڈلین کے نسخہ سے کسی قدر مختلف اور غالباً قدیم تر بھی ہے، یہ ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) مین نقل کیا گیا ہے،

"ع ز"

ادبیات

جنونِ بہار

از جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خان طاہر

گہ مست فتد بر گل و گہ بر سرِ خارے دیوانہ شد از جلوۂ حُسنِ تو بہارے

دریا دِ کسے مشغلہ ام جامہ دریدن دست است بہ کارے و دلم در کفِ یارے

ہر شام چو مشاطہ بہ آرایشِ زلفت ہر صبح بود حسنِ ترا آئینہ دارے

او مضطرب از شوخی و من از تپشِ دل آنسوے نہ تاب است و نہ این سوے قرارے

خواہی کہ بہ عرفان برسی ترکِ خودی کن این نکتہ خوشش آمد ز لب بادہ گسارے

کیفے عجب از نرگسِ مخمورِ تو دارم صد میکدہ قربان اگر این ست خمارے

در پیشِ جمالِ تو زنم نالہ و رقصم از نغمۂ خود مست چو بلبل بہ بہارے

طاہر دلِ روشن طلب از جلوۂ ایمان

کے روشنیِ شمع رسد زیرِ مزارے

نوائے شعلہ ریز

از مرزا احسان احمد صاحب بی اے ال ال بی علیگ، اعظم گڈہ

لئے ہوئے تجلیاں نظر ہو حسنِ یار کی نہ کچھ خزاں کا خوف اب نہ فکر کچھ بہار کی

ترے نشاطِ درد نے مجھے وہ دی ہیں نعمتیں — نثار جس پہ راحتیں حریمِ شہر یار کی

بلند کر ذرا ابھی اک اور ذوقِ عاشقی — فضائے غم میں دیکھ پھر تجلیاں بہار کی

ہر ایک ذرہ رو کشِ جمالِ برقِ طور ہو — اڑا کے دیکھ اے صبا چمک مرے غبار کی

درِ حرم پہ بیٹھکر نصیب اہلِ ہوش کو — کہاں وہ سجدہ ریزیاں جبینِ بادہ خوار کی

اٹھائے ایک جامِ مے جو دیکھنا ہے رازِ دہر — کہ جستجو ہے سب عبث نگاہِ ہوشیار کی

دماغ و دل میں بھر گئے شرارہ ہائے برق پاش — نوائے شعلہ ریز نے اک عندلیبِ زار کی

دُنیائے آرزو

از جناب دردؔ شاہجہان پوری

چشمِ کرم ہے سلسلہ جنبانِ آرزو — اب دیکھنا ہے وسعتِ دامانِ آرزو

ناکامیٔ نگاہ بھی ہمت شکن نہیں — کیا دلفریب ہے چمنستانِ آرزو

اے دل ہر اک نفس نفسِ جانگداز ہو — دیکھ مآلِ کاوشِ پیکانِ آرزو

بزمِ نیاز و ناز ہے پیشِ نگاہِ شوق — کتنا نظر فریب تھا عنوانِ آرزو

اللہ ری دلفریبیٔ رعنائیٔ خیال — ہر ذرہ کوئے عشق کا ہے جانِ آرزو

اب جوشِ اضطراب ہو وجہِ سکونِ دل — سرمایۂ قرار ہے پیکانِ آرزو

پنہاں ہے ذرہ ذرہ میں دنیائے اضطراب — دیکھے تو کوئی خاکِ شہیدانِ آرزو

تڑپا رہا ہے اور یہ اندازِ بے رُخی — دل تو یوں ہی تھا شعلہ بدامانِ آرزو

لے جائے گی کہاں مجھے وارفتگیٔ شوق — ہر ہر نفس ہے سلسلہ جنبانِ آرزو

دیکھا تو اک طلسمِ فریبِ خیال ہے — اب تک سمجھ رہے تھے جسے جانِ آرزو

ناکامیٔ نصیب کا اے دردؔ کیا گلہ — میں ہوں ازل سے شعلہ بدامانِ آرزو

باب التقریظ والانتقاد

کلیّات عزیز

یعنی

مجموعۂ کلام جناب خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز مرحوم، ضخامت ۵۰۰ صفحے،

قیمت مجلّد سے، غیر مجلّد صہ، پتہ:- خواجہ وصی الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر، عزیز منزل، لکھنؤ،

جناب خواجہ عزیز الدین صاحب مرحوم ہندوستان کے اس آخری دور مین جبکہ فارسی شاعری کا چراغ بالکل گل ہو چکا تھا، فارسی زبان کے باکمال شاعر تھے، اور اس خصوصیت کی وجہ سے، بقول مولنا حبیب الرحمان خان شروانی "لکھنؤ کی سبزی منڈی مین خواجہ صاحب کی بارہ دری گویا خیابانِ شیراز تھی انسان وہان پہنچتا تو حافظ و سعدی کے کمال کی مہک پاتا" لیکن خواجہ صاحب مرحوم کی زندگی تک اس خیابانِ شیراز کی مہک صرف اسی بارہ دری یا زیادہ سے زیادہ لکھنؤ کے قیصر باغ اور وکٹوریہ پارک تک محدود رہی ہندوستان کے اور حصے اس نسیم عطر بیز کے جھونکون سے محروم رہے اگرچہ خواجہ صاحب مرحوم کے تلامذہ نے اس طبلۂ عطار کو کھولنا چاہا، اور ان کے سوانح و اشعار شائع کرنے چاہے، لیکن خواجہ صاحب مرحوم کی کسر نفسی سے یہ غنچۂ ناشگفتہ ناشگفتہ ہی رہا، چند پنکھڑیون نے بے شبہہ پر و بال نکالے یعنی اُن کے تلامذہ و معتقدین نے ان کے چند قصیدے اور چند مثنویان زبردستی طبع کرا دین، تاہم خواجہ صاحب مرحوم کی زندگی مین اُن کے تمام کلام کا مکمل گلدستہ رونق بزم کمال نہ ہو سکا، اور قدر دانون کی نگاہین بہارستانِ فارس کا یہ دلکش منظر نہ دیکھ سکین، لیکن اب خواجہ صاحب

مرحوم کے خلف الرشید جناب خواجہ وصی الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر نے ان کے تمام کلام کا مکمل مجموعہ نہایت کد و کاوش کیساتھ چھپوا کر شائع کیا ہے، اور اس کاوش و جستجو سے غالباً خواجہ صاحب مرحوم کا اکثر کلام دست برد زمانہ سے محفوظ ہو کر، ایک کتاب کی صورت مین ہمارے سامنے آگیا ہے جس کی ضخامت پانچسو صفحات سے زیادہ ہے، اسی کے ساتھ موجودہ دور کے بعض ذوق شناسان شعر فارسی یعنی ڈاکٹر سر محمد اقبال کا ایک گرامی نامہ بھی ابتدا مین درج کیا گیا ہے، جس مین اختصار کیساتھ خواجہ صاحب مرحوم کے کلام پر معنی خیز تبصرہ کیا گیا ہے، اس کے بعد نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمان خان شروانی کا مقدمہ ہے، جسمین خواجہ صاحب مرحوم کے سوانح و حالات نہایت دلچسپ ذاتی مشاہدات کے حوالے سے لکھے گئے ہین، اور خواجہ صاحب مرحوم کے کلام سے مختلف اصناف سخن کے انتخابات درج کئے گئے ہین، ان معنوی دلفریبیون کے ساتھ کتاب ظاہری حیثیت سے بھی نظر فریب ہے، چنانچہ شروع مین خواجہ صاحب مرحوم اور ان کی مسکونہ بارہ دری وغیرہ کے چند فوٹو شامل ہین اور اخیر مین خود خواجہ وصی الدین صاحب کا فوٹو اس مقولہ کی یاد دلاتا ہے کہ "اول بآخر نسبتے دارد"

ان مراتب سے گذرنے کے بعد اصل کلیات کی ترتیب شروع ہوتی ہے، جس کی ابتدا غزلون سے کیگئی ہے، اس کے بعد قصائد، قطعات، مخمس اور ہفت بند سب ایک سلسلے مین درج کئے گئے ہین، پھر مثنویان شروع ہوتی ہین، اور انھی کے سلسلے مین ان کی تشریحات بھی درج ہین جنکے صفحے الگ دیئے گئے ہین، پھر تاریخی قطعات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اس کے بعد رباعیون کی باری آتی ہے، پھر تقریبات وغیرہ کے مختلف رقعات درج کئے گئے ہین، اس کے بعد خواجہ صاحب مرحوم کے ابتدائے مشق کی غزلین سامنے آتی ہین، پھر متفرق نظمون کی باری آتی ہے، جسمین مخمس، نعتیہ غزلین، قطعات تاریخ، نعتیہ قصیدے، مسدس، مرثیے، رقعے سب کچھ شامل ہین، پھر ابتدائی کلام کا بقیہ حصہ شامل کیا گیا ہے، اس کے بعد مثنوی گلگشت کشمیر یا سیر نامہ ہے اور اسی سلسلے مین اسکی تشریحات بھی داخل ہین، ان سب کے بعد نثر کا حصہ ہے، جو زیادہ تر مکتوبات پر مشتمل ہے، اخیر مین وہ تاریخی قطعات درج ہین جو خواجہ صاحب مرحوم کی وفات پر مختلف شعرا نے لکھے ہین

لیکن افسوس ہے کہ یہ ترتیب قابل اطمینان نہین ہے، چنانچہ مولنا حبیب الرحمان خان شروانی اپنے مقدمہ مین تحریر فرماتے ہین،

"اہل نظر ترتیب کلیات دیکھ کر مسرور نہ ہونگے مگر یہ ثبوت ہے خواجہ وصی الدین کی مشکلات کا اور اُس دشواری کا جو حصولِ کلام و ترتیب مین پیش آئی":

معنوی حیثیت سے اس مجموعہ کی ترتیب پر ایک اہم اعتراض جو کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ زمانۂ قدیم سے ترتیبِ کلیات کا عام اور متداول طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قصائد درج کئے جاتے تھے، اس کے بعد مثنویون کا سلسلہ شروع ہوتا تھا، پھر غزلون کا نمبر آتا تھا، اور آخر مین قطعات، رباعیات، مسدس، مخمس، اور مراثی وغیرہ شامل کر دیئے جاتے تھے، لیکن اس مجموعہ مین قصائد سے پہلے غزلین درج ہین، اور قصیدون کے بعد مثنویون کا سلسلہ بھی قائم نہین رکھا گیا، بلکہ مثنوی ید بیضا اور قیصر نامہ کے بعد تاریخی قطعات، رباعیات اور رقعات درج کئے گئے اس کے بعد خواجہ صاحب مرحوم کے ابتدائی کلام کو جو تقریبًا کل کا کل غزلون پر مشتمل تھا، بلا وجہ غزلیات کے سلسلے سے الگ کرکے درج کیا گیا، اگر سب سے پہلے ابتدائی دور کی غزلین درج کیجاتین اس کے بعد کہنہ مشقی کے زمانہ کی غزلون کا سلسلہ شروع ہوتا تو نظم و ترتیب کے ساتھ ساتھ دونون زمانون کی غزلون کا موازنہ بھی آسانی سے کیا جا سکتا،

بہرحال یہ نقش اول ہے اس لیے یقین ہے کہ طبع ثانی مین ان بے ترتیبیون کے دور کرنے کی کوشش کیجائے گی اور نقش ثانی نقش اوّل سے بہتر ہوگا، کہ

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اوّل

لیکن موتی بہرحال موتی ہے، نظم و ترتیب سے اگرچہ اسکی خوشنمائی و دلربائی مین اضافہ ہوجاتا ہے لیکن اس کی قدر و قیمت قعر سمندر مین بھی کم نہین ہوتی، پھول ہارون مین گندھ کر اگرچہ بہت زیادہ نظر فریب ہوجاتے ہین، لیکن اُن کی خوشبو صحنِ چمن مین بھی علیٰحالہ قائم رہتی ہے، اس بنا پر گو خواجہ صاحب

کے کلام کی ترتیب مین وہ خوشنائی اور رعنائی نہین پائی جاتی، جو اس پیکر حسن و جمال کے شایان شان ہو، تاہم اسکا حسن و جمال اپنی اصلی حالت مین قائم ہے، اور ایک دیدہ ور کا کام صرف یہ ہے کہ وہ ذوق صحیح کی عینک لگائے اور اپنی آنکھون کو اس جلوہ گاہِ حسن کے نظارے سے روشن کرے، مختلف دیدہ ورون نے خواجہ صاحب مرحوم کے کلام کو اسی عینک سے دیکھا ہے، اور اب ہم بھی اس کو اسی ذریعہ سے دیکھنا چاہتے ہین،

غزل خواجہ صاحب مرحوم کے کلام پر ایک اجمالی تبصرہ خود کلیات کے شروع مین شامل ہے، یعنی ڈاکٹر سر محمد اقبال کا جو گرامی نامہ عرض حال کے بعد درج کیا گیا ہے وہ درحقیقت خواجہ صاحب مرحوم کے کلام پر ایک پرمغز تنقید ہے، جو ان مختصر الفاظ مین کیگئی ہے۔

"خواجہ صاحب ادبیات فارسی کے اُس دور سے تعلق رکھتے ہین جس کی ابتدا شہنشاہ اکبر سے ہوئی"

لیکن اس دور کے شعرا مثلاً عرفی وغیرہ کے کلام مین جو پیچیدگی اور اشکال پسندی پائی جاتی ہے اور جس کا خاتمہ شاعری کے بجائے معما و چیستان کی صورت مین بیدل وغیرہ پر ہوا، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام مین اس کا مطلق وجود نہین پایا جاتا، بلکہ وہ نہایت صاف، روان اور شستہ و سادہ کہتے ہین، جا بجا صائب کا تمثیلی رنگ بھی موجود ہے، مثلاً،

چاک کن جامۂ ہستی کہ شود او پیدا ... تاگریبان ندرد گل نکند بو پیدا

دہد حق عشق احمد بندگانِ چیدۂ خود را ... بخاصان شاہ مے بخشد مئے نوشیدۂ خود را

تشبیہات کی لطافت جو اس دور کی امتیازی خصوصیت ہے، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام مین بھی نہایت نمایان طور پر نظر آتی ہے مثلاً

غمزہ را چشم تو بر خونم اشارت فرمود ... کہ ز ابرو بمیان بر زدہ دامان برخاست

ستمگری بگذار و بدلبری بگذر ... دل است مالِ غنیمت نہ مالِ اوقاف است

خیالِ او کہ ز چشم نمے رود گاہے ... چو لیلی بسیہ خیمۂ نظر بند است

نہ ہمین مرغِ چمن صید جگر خستۂ اوست | بوئے گل نیز شکارے ز قفس رستۂ اوست
نقشِ تمثالِ دلست اینہمہ پیدا و نہان | دو جہان در نظرم ابروِ پیوستۂ اوست

نماز شام برآید اگر بہ بام آن ماہ | زمین کوئے او از سجدہ پرستارہ کنم

فلسفہ و تصوف کی چاشنی بھی جیسا کہ اس دور کے شعراء کا انداز ہے، جا بجا نہایت لطیف شاعرانہ پیرائے مین پائی جاتی ہے، ڈاکٹر اقبال لکھتے ہین کہ "غزل مین ان کی نظر بیشتر روحانی حقائق پر رہتی ہے اور ان حقائق کو وہ نہایت آسانی اور لطافت کیساتھ ادا کر جاتے ہین، مثلاً

دو غنچہ ہست دو عالم ز گلشن صنعش | یکے شگفتہ یکے ناشگفتہ است ہنوز

دل پر معرفت افسردہ دیر مردہ مباد | کاین گل سرسبد آرایش گلدستۂ اوست
خضر و این قید حیات ابدی پاداش است | بندۂ بے ادب از بند اجل جستۂ اوست

بے وسیلے بہ رہ دوست کسی را ننگرند | رہبرے بہتر ازین رہگذرے بہتر ازین
لن ترانی کہ جواب ارنی یافت کلیم | خواست نظارۂ او دیدہ ورے بہتر ازین
بے خودی راہبر راہ خدا ہست عزیز | برو از خود کہ نباشد سفرے بہتر ازین

خود خواجہ صاحب مرحوم کی غزلون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے اس دور کے مشاہیر شعرا کے کلام کو سامنے رکھ کر غزل گوئی شروع کی ہے، اور اکثر اُن زمینون مین غزلین لکھی ہین، جنھین اس دور کے مشہور شعراء نے طبع آزمائیان کی ہین، مثلاً یہ غزلین

مرا خود کشتہ و افگندہ در حیرت جہانے را | بہ تیغ از ہر کسے پرسد کہ کشت این خستہ جانے را

عمر من در یاس و حرمان از غم دنیا گذشت | وائے بر جانم چو امروزم اگر فردا گذشت

وئے کہ رستہ ز قید خرد خردمند است | اسیر دست کہ بے قید و بند در بند است

بار یکہ بر نداشت فلک آدم آن گرفت | کاہے سبک ببین کہ چہ کوہ گران گرفت

آنانکہ سعی در طلبش چار سو کنند   اے کاش در حریم دلش جستجو کنند

بیگانہ ہم بہ پرسشِ احوالِ ما رسید   دردا کہ کار ما بہ محبت کجا رسید

نظیری، کلیم اور ظہوری وغیرہ کی زمینوں میں لکھی گئی ہیں، خود خواجہ صاحب فرماتے ہیں،

کے از ظہوری و زنظیری رسد عزیز   فیضے کہ از کلام الٰہی بما رسید

لیکن ان صیادانِ معانی کے علاوہ ایک مرغ بلند آشیان اور بھی ہے، جس کی ہمصفیری خواجہ صاحب مرحوم نے کی ہے، گو عجز و انکسار سے ان کو خود اعتراف ہے،

حدیث حافظ شیراز و گفتہ ہائے عزیز   ہمان حکایت زر دوزو بوریا باف است

یہ غزل خواجہ حافظ کی غزل پر لکھی گئی ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم کے کلیات میں اور بھی متعدد غزلیں خواجہ حافظ کی زمینوں میں ملتی ہیں، مثلاً

در غم و غصہ بہ تیغِ تو براتم دادند   زہر می خواستم و آب حیاتم دادند

غمین مباش کہ اندوہ و غم نخواہد ماند   جہان ہرچہ جز او ہیچ ہم نخواہد ماند

چو دلبران ہمہ خواہند دل چہ چارہ کنم   بغیر از ین کہ دلِ خویش پارہ پارہ کنم

چشم بد دور بسویم گذرے بہتر ازین   گذرے بہتر ازین و نظرے بہتر ازین

شعرائے ایران کے علاوہ میرے خیال میں خواجہ صاحب مرحوم کی شاعری پر لکھنؤ کی اردو شاعری کا بھی کسی قدر اثر پڑا ہے، آتش و ناسخ کے زمانے سے لکھنؤ میں شاعری کے دو مختلف اسکول قائم ہو گئے تھے ناسخ اور ناسخ کے تلامذہ مضمون آفرینی پر جان دیتے تھے، اور آتش اور آتش کے تلامذہ لطفِ زبان کے دلدادہ تھے، اور یہ رنگ ناسخ کی طرز سے زیادہ مقبول تھا، رعایت لفظی اگرچہ دونوں اسکولوں میں مشترک تھی، لیکن آتش اور آتش کے تلامذہ نے اس میں بہت زیادہ لطافت پیدا کی تھی، اور ناسخ کی لفظی مناسبتوں میں جو بھدا پن پایا جاتا ہے اسکو بہت کچھ دور کر دیا تھا، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام میں جو سلاست و

زبانی پائی جاتی ہے، اور جابجا "کالملح فی الطعام" انھون نے نہایت لطیف انداز مین جن لفظی مناسبتون سے کام لیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھون نے لکھنؤ کی اس مئے آتشین کے چند پیالے بھی نوش کئے ہین، مثلاً ان اشعار مین دیکھو کہ رعایت لفظی کس قدر لطف دے رہی ہے،

بقد یار چہ نسبت درخت طوبیٰ را مخور فریب دروغ کہ راست مانند است

گوہکن فکر سلاسل ہم پئے دیوانگان آنکہ بھر ساعد سیمین یارم یارہ کرد

نیست خالی از خیال زلف رعنایان سرے این بلا از عالم بالا کجا نازل نشد

ہر سحر بوئے خوشش پیک صبا می آرد بو کہ می آید ازین پس خبرے بہتر ازین

از قضا گر نظر لطف تو افتاد بما چشم داریم کہ افتد قدرے بہتر ازین

نمی شود دہن آن ماہ مہربان ہر چند بچرخ عربدہ پر خاش باستارہ کنم

بہرحال شستگی زبان اور جوش بیان (جو خواجہ حافظ کا امتیازی وصف ہے) کے لیے کسی انتخاب کی ضرورت نہین، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام مین عموماً یہ خصوصیت پائی جاتی ہے، بالخصوص جہان وہ خواجہ حافظ کے مخصوص رنگ مین غزل کہتے ہین وہان یہ خصوصیت اور بھی نمایان ہو جاتی ہے، مثلاً

ز قول واعظ شہر اجتناب باید کرد عمل بگفتۂ چنگ و رباب باید کرد

پئے صبوحی محشر پس از قضا با من نہان بخاک خمے از شراب باید کرد

ز خرقہ ہاے مرقع کہ در خور خرق است چہ تر چہ خشک ہمہ را غرق آب باید کرد

بیا کہ ما و تو ساغر زنیم بر لب آب جہان و ہر چہ درو غرق آب باید کرد

حساب معصیت بیشمار خویش عزیز حوالہ بر کرم بے حساب باید کرد

چند دل تنگ بہ غمخانۂ ہستی باشی خیز و زین خانہ برون آی کہ صحرا اینجاست

شور حسن است کہ شد غلغلہ افگن در نجد ورنہ مجنون چہ خبر داشت کہ لیلا ہست

آب حیوان بخضر جام بہ جمشید گذار　　پیش من آر اگر جرعۂ صہبائے ہست

بطرب کوش یک امروز بعشرت مے نوش　　ہم بفردا بگذار از غم فردائے ہست

لیکن خواجہ صاحب مرحوم صرف غزل ہی نہین کہتے، بلکہ اور اصناف سخن مین بھی استادی کا درجہ رکھتے ہین، انھون نے غزل کے علاوہ مثنوی اور قصائد بھی لکھے ہین، اور اُن کی شاعری کی شہرت زیادہ تر انھی مثنویون اور قصیدون سے ہوئی ہے، چنانچہ ہمارے مخدوم مولنا حبیب الرحمان خان شروانی اپنے مقدمہ مین لکھتے ہین:

"لکھنؤ کے دورِ آخر کو جن اہل کمال پر ناز تھا اور بجا ناز تھا اس مین خواجہ عزیز الدین مرحوم ممتاز ہین، امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ ادب فارسی مین کمال حاصل کیا اور اُن میدانون مین علمِ استادی بلند کیا جو متاخرین کی دسترس سے باہر تھے یعنی مثنوی و قصیدہ، اصنافِ سخن مین سب سے زیادہ مختصر رباعی ہے جو سب سے مشکل ہے، دیکھو صدیون کے دوران مین صرف چار پانچ ہی استاد رباعی گذرے ہین، حضرت ابو الخیر ابو سعید، شیخ الاسلام انصاری، عمر خیام، سحابی نجفی، دل چاہے تو سرمد کو بھی یاد کر لو، اس نے بھی ایک لطف پیدا کیا ہے،

رباعی کے بعد مثنوی ہے، اسمین اساتذہ کی تعداد بیس سے زیادہ نہ ہوگی، مثنوی کے بعد قصیدہ ہے، اس کے استاد سو کے اندر اندر رہین گے، سب سے زیادہ آسان غزل ہے، استاد غزل بیسون مشاہیر غزل سیکڑون ہین، کہنا یہ تھا کہ خواجہ عزیز صاحب امتیازیون ہین کہ انھون نے مثنوی اور قصیدہ مین جوہر کمال دکھائے، مذاقِ شعر کا پایہ بلند کیا"

اس عبارت سے جو ایک مسلم ناقد فن شعر کی تراوشِ قلم ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب مرحوم کی طبع بلند نے غزل جیسی آسان چیز کو درخورِ ہمت نہین سمجھا، اس لیے اس مین بہت زیادہ نہین پھیلے، البتہ مثنوی و قصیدہ پہلے ہی سے مشکل تھے اور اب متاخرین کے دور مین پہلے سے بھی زیادہ مشکل ہو گئے تھے، اس لیے خواجہ صاحب مرحوم نے ان دونون کی تجدید کی، اور اسی تجدید فن نے انکو فارسی شاعری کا مسلم استاد بنا دیا، اس لیے

ان دونون اصنافِ شاعری پر تبصرہ کرنا غزل سے بھی زیادہ ضروری اور اہم ہے،

قصیدہ | ابتدائے لیکر انتہا تک قصیدہ شعرا رکے اظہارِ کمال کا سب سے بڑا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا، اس بنا پر صنائع و بدائع

تشبیہ و استعارہ، تلمیح و اشارہ، اصطلاحات علمیہ، اور رموز حکمیہ زبردستی قصائد مین ٹھوسے جاتے تھے اور اُن سے

قدرتِ کلام کا اظہار کیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ فارسی شاعری مین غزل جس قدر آسان چیز تھی قصیدہ اسیقدر مشکل

تھا، صرف قصیدہ کہنا ہی مشکل نہ تھا بلکہ قصیدہ کا سمجھنا اُس سے بھی زیادہ مشکل تھا کیونکہ ان پابندیون کیوجہ سے

لازمی طور پر اشکال پیدا ہوجاتا تھا، اس کیساتھ چونکہ اہل ادب نے تصریح کردی تھی کہ قصیدہ مین شاندار اور

متین وجزیل الفاظ کا استعمال کرنا چاہئے، اس لیے شعرا نے غلطی سے متین وجزیل الفاظ کے بجاے مغلق

الفاظ استعمال کرنے شروع کئے، اور قصائد کو لغات کا ایک چھوٹا سا مجموعہ بنا دیا، مضمون آفرینی اور جدت

طرازی بھی قصیدہ کے لیے ضروری چیز قرار پائی اور ان خصوصیات نے قصیدہ کو اور بھی مشکل بنا دیا، قدما و

متوسطین کے دور تک قصیدہ گوئی کی یہ تمام خصوصیات قائم رہین، گو متوسطین نے صنائع و بدائع کا زور کم کردیا

تاہم اور خصوصیات بعینہٖ قائم رہین، متاخرین نے قصائد مین غزل کی رنگینی پیدا کی، اس لیے قصیدون کی متانت

مین بہت کچھ فرق آگیا، اس کے بعد چند مجددینِ فن نے جنمین قاآنی سب سے زیادہ نامور ہے، قصیدہ گوئی مین قدما

کے دور کو دوبارہ زندہ کیا، اور اس دور سے قصیدہ گوئی کا ایک خاص انداز قائم ہوگیا جسمین الفاظ کی

متانت وجزالت، لطیف و نادر تشبیہات و استعارات اور مقفی و مسجع الفاظ کا ایک ترنم ریز اور ولولہ خیز

ذخیرہ نظر آتا ہے،

خواجہ صاحب مرحوم نے متعدد قصائد مین یہی مجددانہ روش اختیار کی ہے، اور ان خصوصیات مین وہ کسی

طرح قاآنی سے کم نظر نہین آتے، بلکہ ایک حریف کی حیثیت سے اسکا مقابلہ کرتے ہین اور فرماتے ہین:۔

مقابل حبیب شد، رقیب عندلیب شد ... بہر کجا خطیب شد زسامعان شکیب شد

حبیب اللہ قاآنی

حریف دلفریب شد ... بنغمہ از ہزارہا،

لیکن باوجود سجع کی پابندی کے سلاست و روانی مین کوئی فرق نہین آنے دیتے بلکہ موسیقیت کے پیدا ہونے سے اشعار کی روانی اور خوشنوائی مین اور بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے مثلاً

سروشے دوش، باصد جوش آمد ناگہم از در | سراپا نوش، صاحب ہوش و دانش کوش و دانشور
چسان آمد، چہ وقت آمد، چرا آمد، کجا آمد | نسیم آسا، سحرگہ بہر تسکین پیش این احقر
چہ احقر، احقر مضطر، چہ مضطر، مضطر بیدل | چہ بیدل، بیدل جانان چہ جانان جان جان گر
چو موسیٰ با قبس یا خود قبس آمد بر موسیٰ | چو عیسیٰ از فلک یا خود ملک آمد بہ پیغمبر
چو باد عاجل از مرتع، چو آب سائل از منبع | چو ماہ کامل از مطلع چو مہر انور از خاور
نہ باد این ہرزہ پو ہر سو مر آنرا پویہ در مینو | نہ آب این مایہ ور از جو مر آنرا بہرہ از کوثر
نہ مہ کش تیرہ از غم رو، مر آنرا چہرہ در گیسو | نہ خور کش زہرہ در پہلو مر آنرا زہرہ زہرا تر
نزولش نزل را منزل وصولش وصل را موصل | وجودش جود را موجد صدورش صدر را مصدر

لمبا قصیدہ ہے، اور اول سے آخر تک مسجع ہونے کے ساتھ روان و برجستہ ہے، الفاظ مین متانت و جزالت ہے، اغلاق و غرابت نہین، اس لیے ہر شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، حالانکہ خاقانی و بدر چاچ بلکہ عرفی کے قصائد بھی عوام کی سمجھ سے بالاتر ہین،

خواجہ صاحب مرحوم نے ایک مخمس خصوصیت کیساتھ قاآنی کی زمین مین لکھا ہے، اور اول سے آخر تک اسی کے انداز مین لکھا ہے، مسجع کی پابندی کے ساتھ، قاآنی کا سب سے بڑا امتیازی وصف تشبیہات و استعارات کی لطافت و جدت ہے، لیکن وہ متاخرین کی طرح خیالی تشبیہین نہین پیدا کرتا بلکہ قدماء کے طریقہ پر محسوس و مادی تشبیہین پیدا کرتا ہے، لیکن باوجود محسوس ہونے کے ان مین جدت و لطافت پائی جاتی ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم کی تشبیہات کا بھی یہی انداز ہے، مثلاً،

بہار گشتہ گل فشان، جہان کہنہ شد جوان | در ختہا یگان یگان، ردہ ردہ زمان زمان

بجنبش آمدہ چنان کہ مہد خواب کودکان | چہ فرودین چہ مہرگان، ہوا چو دایہ مہربان
کشاد غنچہا دھان | برنگ شیر خوارہا
کشادہ گل رسالہا، کندبل حوالہا | کشیدہ مرغ نالہا، بدرس آن مقالہا
ہوا دہد امالہا، بشاخ شاخ لالہا | چکد ز لالہ ژالہا بخاک چون غسالہا
نہ لالہا پیالہا | بدست رعشہ دارہا
سحرگہان بیاد حق، ز طائران فرق فرق | غزل سرا بدان نسق کہ کودکان ہم سبق
شقیق لعلگون وشق، چنانکہ در افق شفق | شگفتہ گل ورق ورق سبعی ابر در عرق
بہر ورق طبق طبق | گہر کند نثارہا

صرف اسی قصیدہ کی خصوصیت نہین بلکہ خواجہ صاحب کی تشبیہات کا عام انداز یہی ہے جو تمام قصائد مین قائم رہتا ہے، مثلاً

نہ آن گوہر کہ در گوش بتان از گیسوان بینی | کہ گوئی بیضۂ کنجشک دارد زاغ زیر پر
فلک پیش از ظہور او سمندے بود بے راکب | جہان پیش از ورود او عروسے بود بے شوہر

آسودہ ہست در کنف او فتش جہان | مانند کودکے کہ در آغوش مادر است
نازم بشہر و شہر پناہش کہ در نظر | ماند بنو عروس کہ گوئی بحجرا است

آن چون پشے کہ بہ بیند رخ شیر آزردہ | دان چون شیرے کہ خورد خون بزے را بمثل
خون شب بسکہ شود ناقص و فاسد بینی | صورت زنگی مبروص زنقصان و خلل
برف را پنجۂ خورشید فشردہ است گلو | خاک را نشتر ایام کشادہ است اکحل
بیضہ از ہم بشگافد کہ رسد تیغ بگداز | طوطی از بیضہ برآید کہ دمد سبزہ ز تل
چون گل امروز نگنجد بلباس از فرحت | تو بتو خرقہ بہ بر داشتہ ہر کس چو بصل

گل زخلوتگہِ ہر شاخ کشید است سرے | بنمائے کہ برآمد کفِ موسیٰ زِ بغل
از حدی خوانیٔ مرغانِ سر کوہ مدام | آسمان در رہِ کشمیر کند رقص جمل

صنائع و بدائع کا خواجہ صاحب مرحوم کو خاص ذوق ہے، اگرچہ کسی قصیدے مین سجع کے علاوہ اور کسی صنعت کا التزام نہین کیا ہے، تاہم کوئی قصیدہ صنائع و بدائع سے خالی نہین، جا بجا ان کا استعمال کیا ہے، اور نہایت لطافت کے ساتھ کیا ہے، مثلاً،

چو بر فروخت چہرہ گل، چراغ زہد گشتہ گل | ز قیدِ تنگ رستہ گل گستہ جملہ بند و غل
بگوش ہادی سبل، دو قلقل است چار قل | زنند بلبلان دہل، کہ کرد نو بہار گل
بنوش چشمہ چشمہ مل | کنار چشمہ سارہا

بیا گل از چمن ببر، چو من چمن چمن ببر | بنفشہ یاسمن ببر، سمن و من سہ من ببر
شقیق از دمن ببر، عقیق از یمن ببر | رحیق از انجمن ببر، رفیقِ موتمن ببر
صدیق ہمچو من ببر | حریف بادہ خوارہا

درین چمن قدم قدم، کشیدہ سرو بن علم | سپرغم و بنفشہ ہم کشادہ زلف خم بہ خم
چہ شامگہ چہ صبحدم، ہمی چکد ز ابر نم | مکن خیالِ کیف و کم، بنوش مے فزون کم
نہ گہ بگاہ دم بہ دم | نہ یک دو بار، بارہا

ریشِ قاضی زکف بادہ پرستان ریش است | فرق صوفی ہمہ از دست حریفان شدہ کل
بود یادش، شود ذکرش، رود حکمش، رسد فیضش | بہر محفل، بہر منزل، بہر کشور، بہ ہر بندر
محضرِ حسن ترا مُہر بعنوان شدہ است | ختم خوبی بتو اے خاتمِ خوبان شدہ است
یمن از یمن لبت کانِ عقیق است ہنوز | طائف از مقدمِ تو رشک گلستان شدہ است
بوم گوئی کہ ہمہ بوم و بر روم گرفت | بام شام از اثر شومیٔ ترکان شدہ است

سر در سرو یہ ہم بر سر کین است بہ بین شاہ بلغاریہ غارت گر ایمان شدہ است

مضمون آفرینی قصیدے کا اصلی عنصر خیال کیجاتی ہے، یہانتک کہ بعض شعراء مثلاً خاقانی اور بدر چاچ نے اسمین اسقدر غلو کیا ہے کہ قصیدے کو معما اور چیستان بنا دیا ہے، لیکن اہل ادب نے قصائد کے حسن کا جو معیار قائم کیا ہے، اُسمین مضمون آفرینی داخل نہین ہے، بلکہ قصیدے کا اصلی زیور، محاکات ہے، تخئیل نہین خواجہ صاحب نے اہل ادب کا بتایا ہوا ہی راستہ اختیار کیا ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ اُن کے قصائد نہایت صاف، شستہ اور روان ہین، اور ان مین کہین اغلاق و ابہام نہین پایا جاتا، یہی وجہ ہے کہ اس کلیات مین مثنویون کی طرح قصائد کی تشریح کے لیے کوئی فرہنگ نہین لگائی گئی ہے،

مبالغہ بھی قصائد کا ایک خاص جزو خیال کیا جاتا ہے، لیکن یہ بھی درحقیقت قصیدہ کا کوئی رکن نہین ہے، البتہ شعراء نے قصائد مین زورِ طبع دکھلانے کے لئے اکثر مبالغے کئے ہین، اس لیے قصائد مین مبالغہ سے کام لینا ایک رسم مین داخل ہوگیا ہے، لیکن خواجہ صاحب اس رسم کے پابند نہین، البتہ بعض اشعار مین کسی قدر مبالغہ پیدا ہوگیا ہے، مثلاً

پنجہ ہا گشتہ حنائی دمِ دو شیدنِ شیر لالہ و گل بود از بس خورشِ جدی و حمل

آنکہ در کاخ جلالش بفلک مہر منیر عنکبوتیست کہ مسکن بودش در عنطل

مثنوی خواجہ صاحب مرحوم کے شاعرانہ کمال کا ایک بڑا منصۂ ظہور مثنوی ہے، اور درحقیقت متاخرین کے دور مین جو چیزین شاعرانہ کمال کے اظہار کا ذریعہ خیال کیجاتی تھین یعنی صنائع و بدائع، ترصیع و تجنیس، تلمیح و اشارہ اور تشبیہ و استعارہ یہ تمام چیزین ان مثنویون مین موجود ہین، بالخصوص مثنوی ید بیضا تو ہر قسم کے صنائع و بدائع کا مجموعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ شرح و فرہنگ کے بغیر یہ مثنوی آسانی کے ساتھ سمجھ مین نہین آسکتی اور اسی ضرورت سے اس کے ساتھ ایک فرہنگ بھی لگا دیگئی ہے، قیصر نامہ مین چونکہ اس قسم کا التزام مالایلزم نہین کیا گیا ہے، اس لیے وہ اس سے زیادہ صاف و روان ہے، مثنوی ہدیۃ الثقلین

اس سے بھی زیادہ سادہ، صاف اور روان ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم نے اپنے خاص غیر مصنوعی انداز کو اس مین خصوصیت کیساتھ قائم رکھا ہے، حمد باری تعالیٰ کے چند اشعار ملاحظہ ہون،

در جام تو آفتاب ازوے | در کام تو شہد ناب ازوے
کور و بینا و ماہ و خورشید | زو داشتہ جملہ چشمِ امید
چشم است و چراغ ہر کسے را | باغ است و بہار ہر خسے را
ہر ذرہ بہ مہرِ او سحر خیز | ہر صعوہ بیادِ او شب آویز
عالم کہ پر از بدائعِ اوست | پیکر کدۂ صنائعِ اوست
فرہاد تراشِ تیشۂ او | مجنون، آہوئے بیشۂ او
شکرش، شکر فرشتگان است | زخمش، نمکِ برشتگان ست
وصفش نہ مجالِ گفتگو ہست | او ہست بدان صفت کہ او ہست
اندر قدمش قدم بلد نیست | ملکیست وسیع و ہیچ حد نیست
دارد حرمش بلند اساسے | کانجا نرسد رصد شناسے

اول سے آخر تک یہ مثنوی اسی دلآویز انداز مین لکھی گئی ہے، اور نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ مین آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی فرہنگ نہین لگائی گئی ہے، تاہم چونکہ وہ متاخرین کے ذوق کے مخالف تھی، اس لیے ید بیضا اور قیصر نامہ کی طرح اس نے کوئی خاص شہرت حاصل نہین کی، حالانکہ وہ اپنے طرزِ بیان کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتی ہے،

مثنوی گلگشت کشمیر مسمی بہ ارمغان بھی اسی سادہ طرزِ بیان مین لکھی گئی ہے، اور باوجودیکہ خواجہ صاحب مرحوم نے اپنے لکھنوی ذوق یعنی لفظی صناعیون کو جابجا قائم رکھا ہے، تاہم اس مین کہین آورد و تکلف نہین پیدا ہونے پایا ہے، مثالین ملاحظہ ہون،

درختون اور پھلون کی طراوت وحلاوت کا بیان کسقدر لطیف انداز مین کرتے ہین،

زناروناردن تا سرو و شمشاد   نوآئین، نوجوان، نوخیز، نو زاد
جنان شان مادر است و دایہ کوثر   ارم شان عمہ و طوبی برادر
تکلم شان بہ تحریکِ اشارہ   خود ایشان کودک و خود گاہوارہ
بطفلی خوردہ از جوے عسل شیر   شکر بار آور د ہر کو شود پیر
خوشا بادام کز وے چشم بد دور   سیہ کردہ بروچشم طمع حور
بصیدِ دل بود بادام، بادام   کہ چیند در رہِ ما دام ما دام
بیا را وصاف سیبش اے سخنگو   ہمین میدان ہمین چوگان ہمین گو
رسد از سدرہ اش ہر دم درودے   مثل باشد کہ سیبے و سجودے
بانگشتِ اشارہ جانب سیب   نمایان میشود آثار آسیب
برونش زر، درونش سیم خام است   تونگر آن کش این دولت بکام است الخ

مناظر کے وصف مین اگرچہ شاعرانہ حیثیت سے محاکات زیادہ موزون ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم اس موقع پر اکثر تخئیل سے کام لیتے ہین، تاہم ان کی تخئیل مین غیر معمولی لطافت وجدت پائی جاتی ہے، اس لیے وہ بھی لطف سے خالی نہین ہوتی، مثلاً،

خوشا آبے کہ مشہور آن بذل ہست   ز ذل تسنیم را نعم البدل ہست
بود زنجیر پا موجش صبا را   حبابش در گرہ بستہ ہوا را
فلک در جنب او برج حبابی   ملائک اندرو مرغانِ آبی
جنون خیز است چون آب و ہوایش   ومند از ہم چو ماہی مو جہایش
زبس گردیدہ محو جلوۂ خویش   ز ذل دارد بہار آئینہ در پیش

تموج بسکہ گیرائے نظرہا است | تماشا کن کہ خوشش دام تماشاست
گریبان چاکیِ موج از ہوایش | کتانِ ماہتاب جلوہ مالیش
بہ دریا ماہ اندر نقرہ کاری | بگلشن زرفشان بادِ بہاری
کول از فیضِ دُل کرداست روشن | چراغے را کہ آبش ہست روغن

خواجہ صاحب مرحوم کے شاعرانہ کمال کے یہی تین میدان ہین، بقیہ مراثی اور قطعات وغیرہ وہ اولاً تو بہت کم ہین، اور جو کچھ ہین وہ کوئی خاص اہمیت نہین رکھتے ۔

اغلاط خواجہ صاحب مرحوم صرف فارسی زبان کے بہت بڑے شاعر ہی نہین تھے، بلکہ وہ فارسی لغت، فارسی مصطلحات و محاورات پر بھی نہایت وسیع نظر رکھتے تھے، اس لیے ان کے کلام پر اس حیثیت سے نکتہ چینی کرنا سخت مشکل ہے، تاہم جو باتین سرسری طور پر تنقیدی نگاہ مین کھٹکتی ہین، اُن کا اظہار بھی ضروری ہے، گو یہ یقینی نہین ہے کہ ایسا وسیع النظر شخص زبان و محاورہ کی کوئی غلطی کریگا، بلکہ اس کے خزانہ معلومات مین سندون کا کافی ذخیرہ ضرور موجود ہوگا،

(۱) لطف در جلوۂ لیلی منشان نیست کنون | یاد زودتے کہ شد از دیدنِ آہو پیدا

اس شعر مین لطف اُسی معنی مین مستعمل ہے جسمین وہ اردو زبان مین استعمال کیا جاتا ہے، اور یہ سند طلب ہے۔

(۲) غمزہ را چشم تو بر خونم اشارت فرمود | کہ زابرو میان برزدہ دامان برخاست

"برخونم" کی ترکیب بالکل اردو زبان کی ترکیب ہے، ایرانی شاعر اس ترکیب کو شاید پسند نکریگا۔

(۳) زبس چو آئینہ اش سینہ صاف و شفاف است | شد آشکار کہ با من درونِ او صاف است

"درونِ او صاف است" کے معنی یہ ہین کہ اُس کا دل مجھ سے صاف ہے، لیکن کیا یہ فارسی کا بھی محاورہ ہے؟

(۴) من از جمالِ تو محروم و عالمے پر نور | چو پائے شمع کہ تاریک در روشن اطراف است

دوسرا مصرع اردو کے اس محاورہ کا ترجمہ ہے کہ "چراغ تلے اندھیرا"، لیکن اوّلاً تو محاورات مین تبدیلی جائز نہین

نہین حالانکہ ترجمہ مین کسی قدر تبدیلی کیگئی ہے، دوسرے یہ کہ یہ فارسی زبان کا محاورہ نہین،

نثر خواجہ صاحب مرحوم فارسی زبان کی نظم و نثر دونون پر قدرت رکھتے تھے، اور دونون مین ان کی رنگینیان، اور صنعت طرازیان یکسان طور پر قائم رہتی تھین، افسوس ہے کہ انھون نے فارسی زبان مین نثر کی کوئی مستقل کتاب نہین لکھی، جو موجودہ دور کے فارسی نثارون کے لیے دلیل راہ کا کام دیتی، البتہ چند ورق مین کشمیر کی ایک مختصر سی تاریخ لکھی ہے، اسکے علاوہ انکی نثر زیادہ تر تقریظات و مکتوبات پر مشتمل ہے، اور تمام چیزین اس مجموعے کے آخر مین شامل کر دیگئی ہین، تاریخ کشمیر مین انکا طرز بیان بالکل سادہ و صاف ہے، مثلاً

"مورخان ہنود و نگارندگان کارخانۂ ہست و بود مینویسند کہ کشمیر موسوم بہ ستی سر بود ستی نام زنے بود و سر حوض کلان را می گویند گویا تمام عالم آب بود و دران دیوے آدم خور جلن دیو نامی سکونت پذیر بود اطراف و جوانبش تباہ و ویران کرد، قضا را عابدے کشف نامی کہ در اعتقاد اہل ہنود نبیرہ برہما بود برکوہ سیمبر گذر کرد این ولایت را برباد و خراب یافت، عابد را بعد تفحص دریافت شد کہ دیوند کور موجب این تباہی است"

یہ واقعات کا عالم تھا جنکی واقعیت رنگینی کے پردے مین چھپ جاتی ہے اس لیے انھون نے سادہ طرز بیان سے کام لیا، لیکن جب وہ خیالی دنیا مین آتے ہین، توان کا سحر کار قلم شاخ گل بنجاتا ہے، جس سے صفحات کاغذ رنگین ہو کر تختہائے چمن بنجاتے ہین، چنانچہ کلیات صہبائی پر تقریظ لکھتے ہین، تو ہر لفظ اور ہر فقرہ استعارہ و کنایہ بنکر قلم سے نکلتا ہے، مثلاً

"شور شکر خندہائے گل نمک ریز است بلبل دل خستہ را چہ گناہ کہ نالد، وجوش ترنمہائے بلبل طرب انگیز است گل نورستہ را چہ قصور کہ بنالد، انچہ موسیٰ را بطور سینا تافتہ صوفی بسینہ و ساقی بمینا یافتہ ہر ذرہ آفتاب نوش است و ہنوز تشنہ کام، زہے وسعت مشرب، و ہر قطرہ دریا خروش است و ہنوز ناتمام سخے ذوق طلب، خانہ خدایان خانہ از خار و خس پرداختہ اند، وما ہنوز دل از ہوا و

وہوس پرداختہ ایم، از خود رفتگان خدا را شناختہ اند و ما ہنوز خود را نشناختہ ایم،

اُن کی نثر کے زیادہ تر نمونے خطوط کی شکل مین ہین، اور گو خطوط بھی واقعات و حالات پر مشتمل ہوتے ہین، تاہم انھون نے ان مین بھی زیادہ تر رنگین بیانی سے کام لیا ہے، بالخصوص لفظی صنعتون سے تو اکثر کام لیتے ہین، مثلاً مولوی ریاض حسن خان کو لیچی کی رسید اس انداز مین لکھتے ہین :-

"سہ ہزار دانہ لیچو از اشناسیون آوردہ شد، پختہ کاری کار پرداز والا را نازم کہ با این ہمہ گرما یک دانہ ہم رائگان نگردید، و تا اینجا رسیدہ، ہمہ رسیدہ خامہ خام کار در سپاس نگاری باین دو شعر اکتفا کرد"

ایک دوسرے صاحب کو آم کی رسید ان الفاظ مین دیتے ہین :-

"انبہ ہاے نورس، از بنارس، باین ناکس، از مہربان بمن رسیدن حلوا، و از آسمان فرود آمدن من و سلوی است، ناکامے را شیرین کام، و مخمور مہجور را مست مدام کرد، ہر چند از اعداد آن سبحہ ساختہ بسپاس گذاری پرداختہ آمد لیکن آن سلسلہ را استواری و آن رشتہ را تاب این گوہر شماری ندیدہ"

بہرحال فارسی زبان کی نثر و نظم دونون مین خواجہ صاحب مرحوم کو کمال حاصل تھا، اور اس دور آخر مین اُن کی نظم و نثر دونون ہمارے لیے فارسی زبان کی انشا پردازی کا بہترین نمونہ بن سکتی ہین، اسلیے خواجہ وصی الدین صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے ان نمونون کو ہمارے پیش نظر کر دیا، اور اب ہمارا فرض ہے، کہ اس مجموعہ کی قدر کرین، اور اس کو اپنے لیے نمونہ بنائین، "ع"

لغات جدیدہ

ایکہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری یعنی لغت، قیمت ۶؍

پیغمبر اعظم (دی گریٹ پرافٹ) بہ زبان انگریزی، از جناب ایف، کے، خان درانی، حجم ۱۶۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی، بچون کے مناسب جلی ٹائپ مین، قیمت درج نہین، پتہ:- قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور،

اس رسالے مین جناب درانی نے آنحضرت صلعم کے مختصر سوانح حیات اسکول کے طلبہ کے لیے سلیس انگریزی زبان مین لکھے ہین، رسالہ چند ابواب مین منقسم ہے، پہلے باب مین جغرافیۂ عرب کا بیان ہے، دوسرے باب مین باشندگان عرب، اور قدیم عربی تہذیب و تمدن کا تذکرہ کیا گیا ہے، تیسرے باب مین مذاہب عرب کا حال ہے، اور پھر مختلف ابواب مین آنحضرت صلعم کی ولادت سے وفات تک کے حالات بیان کئے گئے ہین، رسالہ مین اگرچہ بعض معمولی تاریخی مسامحات موجود ہین لیکن اسکی اہم خصوصیت اسکی جامعیت و ترتیب اور پھر زبان کی سلاست و روانی قابل تعریف ہے، جس کو چھٹی ساتوین جماعت کے طلبہ بآسانی پڑھ سکتے ہین، اسلامی مدارس کے طلبہ مین اس کو رائج کرنا چاہئے،

پیغمبر اسلام:- از جناب قاضی عبد المجید صاحب قرشی، حجم ۲۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، پتہ:- دفتر ایمان بنی لاہور،

قاضی عبد المجید صاحب قرشی، آنحضرت صلعم کے یوم ولادت کو "تقریب یوم النبی" کی حیثیت سے بطور یادگار سارے ہندوستان مین منانا چاہتے ہین، اس سلسلہ مین انھون نے آنحضرت صلعم کی سیرت مبارکہ پر تقریرون کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، اور ہر سال مختلف اہل قلم سے سیرت پر تقریر لکھاتے ہین، اور اس کو

ہندوستان کی آٹھ نو زبانون مین شائع کرنا چاہتے ہین، اسی سلسلہ مین ۱۹۲۹ء کی تقریر خود موصوف کے قلم سے لکھی گئی ہے، جس کے چند رسالے اردو، ملیالم، تامل اور گجراتی وغیرہ مختلف زبانون مین اسوقت ہمارے سامنے ہین، رسالہ سیرت کی مستند کتابون سے مرتب کیا گیا ہے، موصوف اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد مین شائع کرنا چاہتے ہین، اسلئے کچھ ٹکٹ بھیجکر مذکورہ بالا پتہ سے یہ تقریرین حاصل کیجاسکتی ہین،

مشکوٰۃ الصلوٰت مؤلفہ مولوی محمد الیاس صاحب برنی، پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، ضخامت ۲۷۰ صفحے، چھوٹی تقطیع، کاغذ اوسط درجہ کا سبز رنگ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت عہ، مؤلف سے بیت الاسلام حیدرآباد دکن کے پتہ سے ملسکتی ہے،

مولوی محمد الیاس صاحب برنی اپنی مشہور کتاب علم المعیشت اور سلسلۂ منتخبات نظم اردو سے فلسفہ و ادب کے حلقون مین روشناس ہین، لیکن ادھر چند سال سے موصوف کے قلم سے مذہب و تصوف کے مذاق کی کتابین شائع ہورہی ہین، چنانچہ اسی سلسلہ مین یہ جدید رسالہ مشکوٰۃ الصلوٰت ہے، اس رسالہ مین آنحضرت صلعم پر درود و سلام کے ورد کے لیے حزب مرتب کئے گئے ہین، رسالہ سات حزبون مین منقسم ہے، پہلے تین حزبون مین قرآن مجید سے صلوٰت اخذ کئے گئے ہین، جو اپنے رنگ مین ایک جدید ترتیب کہی جاسکتی ہے، پھر احادیث سے درود اخذ کئے گئے ہین، اور اس کے بعد اوراد و وظائف کے ممتاز رسالون حزب البحر، اور دلائل الخیرات وغیرہ سے انتخاب کیا گیا ہے، امید ہے کہ ارباب ذوق مین یہ رسالہ مقبول ہوگا، رسالہ کا دیباچہ اردو اور عربی دونون زبانون مین ہے،

نبیون کے قصے، از جناب خواجہ محمد عبد الحیٔ صاحب فاروقی، ۸۰ صفحے، چھوٹی تقطیع، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۶ر پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی،

جناب خواجہ محمد عبد الحیٔ صاحب فاروقی نے انبیاے کرام علیہم السّلام کے مختصر حالات صرف قرآن مجید سے اخذ کرکے چند صفحون مین چھوٹے بچون کے لیے لکھے ہین، کل ۱۶، ۱۷ انبیاے کرامؑ کے حالات ہین جنکے

مطالعہ سے بچون کو مختلف اخلاق حسنہ کی تلقین ہوگی، زبان بھی صاف سلیس، اور بچون کے لائق ہی،

تاریخِ ظفرہ مصنفہ گردھاری لعل احقر (۱۱۸۵ھ) مرتبہ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے،

رکن سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ ناشر اڈیٹر صاحب مشرق گورکھپور، حجم ۲۰۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور

کاغذ عمدہ، قیمت درج نہین،

ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ انگریز مورخین کی بدولت جس مسخ شدہ شکل مین مدون ہوئی ہی،

اوران کی تقلید مین ہمارے دور حاضر کے ہندو مصنفین نے بھی جو رنگ آمیزیان کی ہین، ان کی تردید مین وہ

تاریخی بیانات نہایت مستند ہو سکتے ہین، جو ہندو مصنفین کے قلم سے عہد اسلامی مین نکلے ہین، چنانچہ اس نوع کی

کتابین اب روز بروز شائع ہوتی جاتی ہین، اور اسی قسم کی ایک تالیف "تاریخ ظفرہ" اس وقت ہمارے سامنے

ہے، جس کو قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے، نے اپنے قلمی نسخہ سے مرتب کیا ہے، اس تاریخ کا "ظفرہ" تاریخی نام ہے،

جس سے ۱۱۸۵ھ نکلتا ہے، اس کے مصنف منشی گردھاری لعل صاحب احقر ہین جو حیدرآباد کے باشندہ تھے،

اوراسی مناسبت سے انھون نے حیدرآباد کی تاریخ اپنے عہد یعنی ۱۱۸۵ھ تک کی مرتب کی ہے، کتاب دو ابواب

مین منقسم ہے، پہلے باب مین سلاطین قطب شاہیہ، بنائے گلکنڈہ اور شہر حیدرآباد کا تذکرہ ہے، اور دوسرا باب

مین شاہانِ چغتائیہ اور فرمانروایان آصفیہ کے حالات ہین، اور یہی باب نسبتہً وسیع ہے، کتاب مین فرمانروایان

کے تذکرہ کے علاوہ عمارات و امکنہ کا خصوصیت سے تفصیلی تذکرہ ہے، اور نیز فرمانروایانِ ملک کے ضمن مین معاہدات

و فرامین و دستاویزات کا متن نقل کیا گیا ہے، جس سے کتاب کی اہمیت زیادہ بڑھ گئی ہی، منشی گردھاری لعل

ایک ایسے دور کے مصنف ہین جب کہ ہندوستان مین ہندو مسلم قومیت کے منافرت کی تخم ریزی نہین ہوئی

تھی، اس لیے دور حاضر کے ہندوستان کے تاریخی مباحث مین سے بعض امور خصوصیت سے روشنی مین آتے

ہین، اوراس لیے کتاب ایک تفصیلی تبصرہ کی محتاج ہے، مرتب نے ابتدا مین ایک دیباچہ لگایا ہے، جسمین کتاب

کی خصوصیات کا سرسری تذکرہ کرکے حیدرآباد کی تاریخ مابعد ۱۱۸۵ھ تا عہد حاضر کا اجمالی ذکر کیا ہے، خصوصًا

موجودہ فرمانروائے حیدرآباد کے عہد پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، ضرورت تھی کہ آخر مین اشخاص واماکن کی فہرست بھی مرتب کرکے منسلک کردیجاتی، کہ فائدہ اٹھانے مین سہولت ہوتی، ہم مرتب کو اس مفید تالیف کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہین،

حالات حزین مع انتخاب کلام، از نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی حجم ۵۸ صفحے، تقطیع چھوٹی، پتہ:۔ دفتر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈہ،

نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس بنارس مین حزین کی آخری خوابگاہ بنارس کی مناسبت سے حزین کے حالات پر ایک پر مغز مقالہ پڑھا تھا، اور نیز حزین کے کلام کا انتخاب بھی پیش فرمایا تھا، اب وہی مقالہ رسالہ کی شکل مین شائع کیا گیا ہے،

حقیقت کی سیر یعنی منظوم ترجمہ رباعیات حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر از مولوی مقصود احمد صاحب مجددی رامپوری ناشر منشی سید قربان علیصاحب بسمل دفتر اردوئے معلی شاہجہانی پریس دہلی، حجم ۱۱۲ صفحے، تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اچھی قیمت ۸/

حضرت ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات کا اردو ترجمہ اگرچہ چند سال گذرے لاہور سے شائع ہوچکا ہے، لیکن منشی سید قربان علی صاحب بسمل نے فارسی شعرار کی رباعیات کے منظوم ترجمہ کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، سرمد و عمر خیام کی رباعیات وہ پہلے شائع کرچکے تھے، اب اسی سلسلہ مین انھون نے حضرت ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات کا منظوم ترجمہ "حقیقت کی سیر" کے نام سے شائع کیا ہے، یہ ترجمہ مولوی مقصود احمد صاحب مجددی نے کیا ہے، ترجمہ صاف اور روان ہے، اور ۱۴۵ رباعیات پر مشتمل ہے،

دیوان یقین، مرتبہ جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی اے اسسٹنٹ ہوم سکرٹری حیدرآباد دکن، حجم مع مقدمہ ۱۶۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت:۔ مجلد عکا، غیر مجلد ۱۲/، پتہ:۔ جناب محمد صدیق حسن صاحب منیجر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے جو اب تک اردو ادب مین محض مزاحیہ مضامین لکھ کر دلچسپی کا سامان بہم پہنچاتے تھے، اب یقین کا دیوان مرتب کرکے اردو علم ادب کی ایک پائدار خدمت انجام دی ہے، دیوان یقین مین اوّلاً ۱۰۸ صفحون کا ایک بسیط مقدمہ ہے، اور پھر ۶۲ صفحون مین دیوان کی غزلین ہین، مقدمہ کی طوالت کا خاص سبب یقین کے وہ حالات زندگی ہین، جو اردو تذکرون مین خاص دلچسپی اور اسی کے ساتھ حسرت انگیز تأسف کے ساتھ پڑھے جاتے ہین، مختلف تذکرہ نگارون نے یقین کے ان حالات پر روشنی ڈالی ہے، جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے اپنے مقدمہ مین تمام تذکرہ نگارون کے بیانات کا جائزہ لیا ہے، اور سب پر تنقید کی ہے، اور اس سلسلہ مین مختلف تذکرہ نگارون مین میر تقی میر اور گارسان دی تاسی وغیرہ کے قائم کردہ الزامات اور جانب دارانہ رایون کی تردید کی ہے، علاوہ ازین یقین کی شاعری پر بحث کرتے ہوئے دیوان یقین پر مکمل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ مین ردیف و قوافی کی تعداد تک مہیا کرنے کی کوشش کیگئی ہے، اگرچہ اس موقع پر ہمین مرتب کے اس خیال سے اتفاق نہین ہے کہ محض یقین کے اس قول سے کہ "تم نے سخن کی طرزین اس سے اڑائیان ہین" ہم بھی یقین کر لین کہ حاتم، میر، سودا اور تاباں وغیرہ نے واقعی یقین کے طرز پر غزلین لکھی ہین، ہر دور مین خاص طرز رائج ہوتے ہین، اگر ایک ہی طرز مین مختلف شعرار کی غزلین ہین، تو کیا ضرور ہے کہ کسی ایک ہی شاعر کا تمام شعرار نے تتبع کیا ہے، مقدمہ کے بعد دیوان کی غزلین ہین، غزلون کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تمام غزلین پانچ پانچ شعر کی ہین، اور پھر کل غزلون کی تعداد ۱۷۰ ہے، جو یقین کے تخلص کے حروف کے مساوی الاعداد ہین، امید ہے کہ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کی یہ سعی اردو علم ادب کے قدردانون کے حلقہ مین قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی،

دیوان جانصاحب مرتبہ جناب نظامی بدایونی، حجم مجموعی ۲۱۰ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت مجلد عہ پتہ:- نظامی پریس بدایون،

اردو کے ریختی گو شعرائین یار علی "جان صاحب" دور متاخرین کے باکمال شاعر تھے، ان کا

دیوان نظامی پریس بدایون نے اولاً ۱۹۲۳ء میں شائع کیا تھا، جو اپنے نوع کی مقبولیت کے لحاظ سے ہاتھوں ہاتھ بکا، اب اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا گیا ہے، نظامی پریس کی اس ادبی خدمت سے اردو زبان کی ایک خاص صنف کے بہت سے الفاظ و محاورات محفوظ ہوگئے ہیں، نیز اسی کیساتھ واجد علیشاہ کے عہد کے لکھنؤ کی زنانی تہذیب و معاشرت کا مرقع تیار ہوگیا ہے، جناب نظامی بدایونی نے ریختی کے دیوان کی مناسبت سے اس عہد کے نثر کے "ریختی نویس" جناب آغا حیدر حسن صاحب دہلوی سے اس پر مقدمہ لکھوایا ہے، مقدمہ اپنے طرز میں دلچسپ ہے، لیکن مقدمہ کے مضامین و مباحث میں از سر نو ترتیب و تدوین کی ضرورت تھی، کہ مقدمہ کے تمام مباحث مربوط و مسلسل ہوجاتے، افسوس ہے کہ طبع ثانی میں اس کی طرف توجہ نہیں کیگئی، اس جدید اڈیشن میں جان صاحب کے جدید دستیاب شدہ کلام کا وافر حصہ بھی شامل کیا گیا ہے، دیوان کی ابتدا میں اولاً مرتب کی طرف سے چند صفحوں کا تعارف ہے، پھر ۸۲ صفحوں میں آغا حیدر حسن صاحب دہلوی کا مقدمہ ہے، اس کے بعد ۲۰۰ صفحے دیوان کے ہیں، اور آخر میں ۲۶ صفحوں میں دیوان کا فرہنگ منسلک ہے،

ماہ دخت، از جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب حجم ۱۸۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی، قیمت عہ، پتہ منیجر صاحب رسالہ دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ،

جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب، مولانا عبد الحلیم صاحب شرر کی وفات کے بعد ان کی لائق ستایش جانشینی کر رہے ہیں، چنانچہ ایک طرف ان کے رسالہ دلگداز کی عنان ادارت ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں، اور پھر کوشش کرتے ہیں کہ ان کے خدمات کی یاد تازہ رکھیں، اور جسطرح شرر مرحوم ہر سال دلگداز میں ایک ناول پیش کرتے تھے حکیم صاحب نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا ہے، اور یہ ناول "ماہ دخت" جو اسوقت پیش نظر ہے ۱۹۳۱ء کے دلگداز میں پیش کیا گیا تھا اور اب کتابی شکل میں شائع ہوا ہے، اس میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد کے عرب و ایران کی لڑائیوں کو ناول کے طرز میں بیان کیا گیا ہے، اور اسی میں ایک عرب قائد عاصم بن عمرو تمیمی اور یزدگرد کی بہن ماہ دخت کے تعشق کی داستان شامل کیگئی ہے

"ر"

جلد نہم و بست (۲۹) | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۲ء | عدد ۵

مضامین

کسی قوم کی بربادی کا اصلی وقت وہ ہوتا ہے، جب خود اس کے یقینیات یعنی ایمانیات تو اُس کے نزدیک مشکوک ہو جاتے ہین، یا مٹ جاتے ہین، اور اُنکی جگہ دوسری قوم کے یقینیات اس کے دل مین راہ پاتے، اور پختگی اور استحکام حاصل کرتے جاتے ہین، اسوقت وہ قوم تسخر انگیز تناسخ کی صورت مین ہوتی ہے، اوپر سے تو وہ وہی قوم معلوم ہوتی ہے، مگر اندر سے وہ کچھ اور ہو جاتی ہے، بظاہر وہ اب بھی اپنے کو وہی کہنے اور کہلانے پر مُصر ہوتی ہے، مگر اس کا باطنی ہیولیٰ کسی اور روحِ میت مین تبدیل ہو چکا ہوتا ہے، گویا وہ اندر سے تو کوئی اور حیوانی صنف مین بدلی ہوتی ہے، مگر اوپر سے اس پر چہرہ انسان کا لگا ہوا ہوتا ہے، پھر یہ انسان نما حیوان تعجب کرتا ہے کہ ہم پر انسانی برکات کے اُس پہلے خزانہ کا منھ کیون نہین کھلجاتا، جب ہم صرف اوپر سے انسان نہین، بلکہ اندر سے بھی انسان تھے،

ہم بظاہر مسلمان بنتے ہین، مگر اسلامی ایمان و یقین سے سرتاپا عاری، اسلامی تعلیمات و ہدایات سے یکسر غافل اور اسلامی تمدن و معاشرت سے تمامتر خالی ہین، پھر اصرار ہے کہ ہم کو اسلام کا پیرو اور مسلمان کہا جائے، اور اسلام اور مسلمانون کے جو لوازم اور خصوصیات ہین، ان کا ہم کو اہل قرار دیا جائے، اور اگر وہ وعدے جو مسلمانون سے کئے گئے تھے ہمارے ساتھ پورے نہ کئے جائین تو ہم کو اپنی غلط نمائی پر جھوٹ کا گمان نہین ہوتا، بلکہ اس وعدہ کرنے والے کے جھوٹے ہونے کا (نعوذ باللہ) خیال ہوتا ہے، کیا یہ علت و معلول اور خاصیت و ذی خاصیت کے درمیان لزوم کی صحیح منطقی شکل ہے ؟

دنیا کی سطح پر جو قومین بھی وجود پذیر ہوئی ہین، انکی بناوٹ کا خمیر عموماً تین مختلف مسالون سے تیار ہوا ہے

یعنی کسی نسل کی محبت، یا کسی خاص ملک کی الفت اور یا چند خیالات سے مستحکم عقیدت، اسلامی قوم کی طبعی ساخت تیسرے مسالہ سے ہوئی ہے، اسلیے اسکی بنا کی سستی کو اگر دور کرنا ہے تو اسی خاص قسم کے مسالہ کو جہان جہان سے وہ جھڑ گیا ہو اور اس کو پختہ کیجئے، ورنہ اگر آپ یہ چاہینگے کہ اسکی کمزوری و سست بنیادی کو پہلی یا دوسری قسم کے مسالے سے دور کرین تو آپ اسکو وہی چیز نہین بلکہ دوسری یا تیسری چیز بنا رہے ہین، اسکو ہندو بنا رہے ہین، یا انگریز، مسلمان نہین بنا رہے ہین،

جسوقت عرب کے ملک مین اسلامی قومیت کی تعمیر ہو رہی تھی اس کے داہنے اور بائین دو اور قومیتین موجود تھین، ایکطرف ایرانی نسل کی قومیت، اور دوسری طرف رومی شہنشاہی وطنیت مگر عرب کی نئی قومیت کے خلاق نے نہ ادھر دیکھا اور نہ اودھر، کہ ان دونون کی کمزوریان آشکارا تھین، بلکہ وہ اپنے لیے ایک تیسری قومیت کا مسالہ تیار کرتا رہا، اور بالآخر ایک نئی قوم بنا کر کھڑی کر دی جس نے آن کے آن مین دونون گذشتہ قومیتون کو تہ و بالا کر کے ان کو اپنے مین مدغم کر دینے پر مجبور کر دیا،
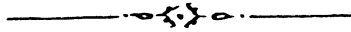
مسلمان اگر آج مسلمان ہین تو اس نکتہ پر غور کرین کہ محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی نئی قومیت کی تعمیر کے وقت یہ نہین کہا، کہ اے مسلمانو! تم ایرانیون کیطرح بنجاؤ تو درفش کاویانی جیسا علم تمھارے سرون پر لہرانے لگے، یا اے مسلمانو! تم رومیون کی طرح بنجاؤ تو عالمگیر شہنشاہی کے تخت پر تم کو بیٹھنا نصیب ہو، بلکہ جب کہا تو یہی کہا، یا ایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا، اے ایمان والو! ایمان والے بنجاؤ یعنی اے بے مثال قوم والو! اپنی مثال آپ بنجاؤ،

پھر یہ کیا بدبختی ہے کہ آج مسلمانون کے نزدیک ان کے مسلمان بننے کی صرف دو راہین ہین، کچھ کے نزدیک یہ کہ تمام مسلمان بکلخت فرنگی بنجائین، اور بعضون کے نزدیک یہ کہ وہ ہندی بنجائین، اور مسلمان بننا اب مسلمان بننے کیلیے ضروری نہین رہا، تو خدارا بتاؤ کہ یہ پوری قوم کی قوم کو ایک دوسری قوم مین مدغم ہو جانے کی صریح دعوت ہے یا نہین؟

آج یورپ کو اتحادِ عالم کے خواب کی تعبیر کے لیے اس کی ضرورت پیش آئی ہو کہ وہ ایک عالمگیر زبان پیدا کرے جس کا نام اسپرنٹو رکھا گیا ہے، لیکن اسلام نے اپنے عالمگیر اتحاد کے لیے اس مسئلہ کو پہلے ہی سے حل کر دیا ہو، اس کے پیغمبر اور اُسکی کتاب کی زبان آج چالیس کرور نفوس کے لیے اسلامی اسپرنٹو ہی، جہان کہین بھی کوئی مسلمان آبادی ہے، اس زبان کا کوئی نہ کوئی جاننے والا موجود ہے، آج دنیا کے گوشہ گوشہ سے جہان چند ہزار بھی اس زبان کے جاننے والے ہین اس زبان مین ان کے اخبارات اور رسالے شائع ہو رہے ہین، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ پورے ہندوستان مین جہان آٹھ کرور اس زبان کے عاشقِ صادق، اور کم از کم چند لاکھ اس کے جاننے والے اور سمجھنے والے موجود ہین، اور ایک لاکھ سے زیادہ اس کے طالب العلم ہین، اور ہزارون کی تعداد مین اسکی درسگاہین ہین، اس زبان کا کوئی رسالہ موجود نہین ہے،

اسی ضرورت کو محسوس کرکے ہمارے چند عزیزانِ ندوۃ العلماء نے یہ قصد کیا ہے کہ لکھنؤ سے الضیاء نامی ایک ماہوار رسالہ جاری کرین، جس کے نگران کارون مین ایک میرا نام بھی ہے، پہلا رسالہ مرتب ہو چکا ہے، محرم ۱۳۵۱ھ سے اس کا آغاز ہوگا، قیمت ؁ سالانہ ہوگی، پتہ یہ ہے، مولوی مسعود عالم صاحب ندوی، اڈیٹر الضیاء، شبلی دار الاقامہ، بادشاہ باغ لکھنؤ،
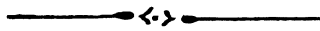
ہم کو امید ہے کہ اس زبان کے قدردان اسکی قدر کرینگے، اور نہ صرف اس کو خرید کر، بلکہ زرِ اعانت سے بھی اس کی امداد کرین گے، اس وقت پچاس پچاس روپیے کے چند دوستون کے چندون سے یہ کام شروع ہو رہا ہے، اگر باہر سے بھی کچھ لوگ اس کی ابتدائی مشکلات کے لیے پچاس پچاس روپیے یکمشت چندون سے اس کی اعانت فرمائین تو بڑا کام ہو، ایسے احباب اس رسالہ کے دائمی سرپرست اور ہمیشہ کے خریدار رہین گے،

مقالات

کیا عالمگیر کے عہد مین تاریخ نویسی قانوناً جرم تھی؟

الہ آباد یونیورسٹی کے ایک پروفیسر تاریخ کی غلط بیانی؛

از
سید ریاست علی ندوی،

عالمگیر کی فرد قرار داد جرم مین ایک یہ جرم بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ اس نے اپنے مظالم کی پردہ پوشی کیلئے اپنے عہد مین تاریخ نویسی کو قانوناً ممنوع قرار دیدیا تھا، چنانچہ دور حاضر کے ایک ہندو مورخ ڈاکٹر ایشوری پرشاد صاحب ایم اے، ڈی لٹ، پروفیسر تاریخ الہ آباد یونیورسٹی اپنی تاریخ ہندوستان مین جو اسکول کے اوپر کے درجون کے لیے لکھی گئی ہے، عالمگیر کے جرائم تعصب و تشدد مین ایک اس جرم کا بھی اضافہ کرتے ہین، اور لکھتے ہین:-

"اورنگ زیب نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ کوئی اس کے زمانہ کے واقعات کا حال نہ لکھے"

مگر:-

"ایک ہمعصر مسلمان مورخ محمد ہاشم خفیہ طور سے اس زمانہ کے حالات لکھتا رہا، اس لیے وہ خافی خان کہلاتا ہے، اس کی کتاب منتخب اللباب سے اورنگ زیب کے زمانہ کا بہت کچھ حال معلوم ہوتا ہے"[1]

ہمارے ڈاکٹر صاحب نے یہ بیان غالباً اپنے پیشرو انگریز مورخین کی تقلید مین لکھا ہے، بہر حال اس دعوی کے یہ تین ٹکڑے ہین،

[1] تاریخ ہندوستان ایشوری پرشاد ص ۲۰۲ مطبوعہ انڈین پریس الہ آباد ۱۹۲۸ء

۱۔ عالمگیر نے اپنے عہد مین تاریخ نویسی کی ممانعت کر دی،

۲۔ محمد ہاشم خفیہ طور پر اس کے عہد مین اپنی تاریخ لکھتا رہا،

۳۔ اسی خفیہ نویسی کیوجہ سے وہ "خافی خان" کہلایا،

واقعہ یہ ہے کہ جب محمد ہاشم کی منتخب اللباب شائع ہوئی، اور اس کے مطبوعہ نسخہ کے سرورق پر مصنف کا لقب "خافی خان" نظر آیا، تو اسی زمانہ سے بطور تخمین و قیاس یہ آواز پیدا ہو گئی تھی، کہ وہ اپنی خفیہ نگاری کے باعث اس لقب سے ملقب ہوا ہوگا، اور یہ اس لیے کہ عالمگیر نے اپنے عہد کے مظالم کی پردہ پوشی کے لیے تاریخ نویسی کی ممانعت کر دی ہوگی، اور نیز منتخب اللباب کے دیباچہ کے بعض بیان سے اس قیاس آرائی کی مزید تائید ہوئی جسکا تذکرہ آیندہ آئے گا، پہلے ہمین محمد ہاشم کے لقب اور منتخب اللباب کے عہد تالیف پر نظر ڈالنی ہے،

یہ عجب اتفاق ہے کہ جسطرح عالمگیر کے عہد مین عمالِ حکومت اور فوج سے کبھی جو غلطیان سرزد ہوئین، وہ براہ راست عالمگیر کے سر تھوپ دی گئین، اوسی طرح آج چند صدیان گذرنے کے بعد بھی، جب عالمگیر کے عہد کے واقعات کی تاریخ مطبع سے شائع ہوئی، اور اس سے ایک اتفاقی غلطی سرزد ہو گئی، تو اُس کو بھی ایک مستقل الزام بنا کر عالمگیر کے سر لاد دیا گیا،

"خافی خان" کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہین کہ یہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے نسخہ کی ایک اتفاقی غلطی ہے، کہ اسین محمد ہاشم نظام الملکی کا لقب "خوافی خان" کے بجائے "خافی خان" شائع ہوا، خواف نیشاپور (خراسان) کے ایک قصبہ کا نام ہے، خوافی سے اُسی کی طرف نسبت کیجاتی ہے، معجم البلدان مین ہے،

خَوَاف ..... قصبة كبيرة من اعمال	خواف ..... نیشاپور (خراسان) کا ایک بڑا قصبہ
نيسابور بخراسان ..... ينسب اليها	ہے ..... اسکی طرف اہل علم وادب کی ایک جماعت
جماعة من اهل العلم والادب	منسوب ہے ..... انہی مین ابو المظفر احمد بن محمد بن
منهم ابو المظفر احمد بن محمد بن المظفر [1]	مظفر خوافی ہین .....

[1] معجم البلدان ج ۳ ص ۴۹۷ مطبوعہ مصر،

اسی طرح کتاب الانساب سمعانی میں ہے:۔

خوافی۔۔۔ھذہ النسبۃ الی خواف وھی ناحیۃ من نواحی نیسابور۔۔۔ کان منھا جماعۃ من العلماء والمحدثین[1]

خوانی۔۔۔ یہ نسبت خواف کیطرف ہے، جو نواحی نیشاپور میں ہے۔۔۔ یہاں سے علماء و محدثین کی ایک جماعت پیدا ہوئی،

خواف کے اکثر اہل علم و فن سلاطین مغلیہ کے دامن سے وابستہ تھے، اور معزز عہدوں پر فائز تھے، منتخب اللباب میں بھی ان کا جابجا تذکرہ ہے، مثلاً عبد الخالق خوافی (ج ۱ ص ۲، ۳) شیخ میر خوافی (ج ۲ ص ۱۲-۱۶-۲۳-۲۵-۲۷، ۳۸ وغیرہ) اور خواجہ کلان خوافی کفایت خان وغیرہ (ج ۲ ص ۱۹، ۲۰ وغیرہ)

اور محمد ہاشم نے کہیں کہیں ان لوگوں سے اپنی رشتہ داری اور نسبت بھی بیان کی ہے، خواجہ کلان خوافی کے ذیل میں لکھا ہے:

"خواجہ کلان خوافی کہ خالوی محرر اوراق می شد اصالۃ دیوانی رعین کہ۔۔۔۔[2]

اور اسی طرح اپنے وطن خواف اور ابناے وطن کے متعلق عالمگیر اور شیخ میر خوافی کے تذکرہ کے ایک سلسلہ میں لکھا ہے:

"گویند بسبب جان جانفشانی کہ بدان ارادت و عقیدت از شیخ میر بظہور آمد، بادشاہ قدردان خانہ زاد پرور رانسبت بہمہ مردم خواف توجہ تمام بہم رسید و آن قدر کہ در عہد خلد مکان عالمگیر بادشاہ مردم خواف کہ محقر ترین الکہای خراسان است پیش آمدند و ترقی نمودند در ہیچ عہدی از بادشاہان سلف در تواریخ بنظر نیامدہ و فی الحقیقت اگرچہ مردم خواف نسبت بہمہ مردم خراسان در ظاہر درشت و بیرو واقع شدہ اند، اما اکثر در کار راست و درست اند و در طریقۂ پاس حق نمک آقا از جملہ ثابت قدمان می توان محسوب نمود"[3]

چنانچہ منتخب اللباب کے بعد کی تاریخوں میں جن کا وہ ماخذ ہے، کتاب کے مولف کا نام ہر جگہ خوافی خان ملتا ہے، مثلاً مآثر الامراء، نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خان میں چند جگہ اس کا نام آیا ہے، اور ہر جگہ یہی نام مذکور ہے،

[1] کتاب الانساب (گ ب) ورق ۱۰۲ [2] منتخب اللباب ج ۲ ص ۱۹، [3] ایضاً ج ۲ ص ۶۲،

دیباچہ مین ماخذون کی فہرست مین ہی،

"لب لباب تالیف خوافی خان"

ج ۱ ص ۲۶۴ مین ہے :-

"خوافی خان صاحب تاریخ لب لباب ..... آوردہ"

اور اسی طرح ج ۱ ص ۵۱۴ مین ہے،

"اما خوافی خان در تاریخ خود زبانی خواجہ مکارم جان نثار خان .... آوردہ"

اور پھر ج ۳ ص ۶۸۰ مین ہے،

"خوافی خان صاحب تاریخ منتخب اللباب ..... نقل می کرد"

باقی رہا منتخب اللباب کو عہدِ عالمگیر کی تالیف بتانا ایک ایسی سخت حیرت انگیز غلطی ہے، جس کا ارتکاب ہندوستان کی ایک عظیم الشان یونیورسٹی کے پروفیسر تاریخ سے حد درجہ تعجب انگیز ہے، اگر تاریخ ہندوستان کی تالیف کے وقت منتخب اللباب سامنے موجود نہ تھی، تو اس کتاب کا حوالہ دیتے وقت کم از کم کسی فہرستِ مخطوطات ہی مین اسکو دیکھ لیا جاتا تو یہ التباس دور ہو جاتا، مثلاً فہرستِ مخطوطات فارسی انڈیا آفس مین ہے :-

"یہ ۱۱۴۳ھ سے پہلے مکمل نہین ہوئی، اور مؤلف نے ۱۱۴۴ھ مین وفات پائی"[1]

ورنہ منتخب اللباب مین سنہ تالیف وغیرہ کے علاوہ کہ جس سے عہدِ عالمگیر کی وفات کے دس برس بعد کی یہ تالیف ثابت ہوتی ہے، جابجا ایسے واضح قرائن موجود ہین کہ اس کو عہدِ عالمگیری کی تالیف غلطی سے بھی نہین کہا جا سکتا، مثلاً عالمگیر کے حالات مین اکثر مواقع پر اس کو "خلد مکانی" سے موصوف کیا گیا، اور اُسکے برخلاف دیباچہ کے شروع ہی مین جہان محمد شاہ کا تذکرہ آیا ہے، اس کا نام فرمانروائے وقت کی حیثیت سے لکھا گیا ہے، دیباچہ مین ہے :-

[1] فہرست مخطوطات انڈیا آفس نمبر کتاب ۳۹۶ ص ۱۴۹،

"تا ذکرِ سلطنت عہد مبارک پادشاہ جم جاہ، جوان بخت، فرازندۂ تاج و تخت، اختر برج جہانبانی، گوہر درج صاحبقرانی آبروبخش دولت دوبارۂ تیموری ابوالمظفر ناصرالدین محمد شاہ بادشاہ غازی تغایت سنہ ہزار و صد و سی کہ بتالیفِ آن جلد پرداختہ درمدت دو صد سال قمری بچہاردہ واسطہ زینت افزاے تخت ہندوستان پروسعت گشتہ اند"

آغازِ کتاب کی عبارت یہ تھی، اب اتمامِ کتاب کی عبارت پڑھئے:-

"تغایت شروعِ سنہ چہاردہ بہ تحریرِ مجملی از سوانح عہد محمد شاہ بادشاہ پرداختہ، انشاء اللہ تعالی بعد ازین بشرط بقاے حیات و وفا نمودنِ فرصت انچہ اتفاق افتد بہ تسطیرِ تغیر و تبدیل وضع روزگار قلم رنجہ خواہد داشت[1]"

کتاب کے آغاز و اتمام کو آپ نے پڑھ لیا، کیا یہ عہدِ عالمگیری کی عبارت ہے؟ کہ یہ کہا جا سکے کہ عالمگیر کا "ایک ہمعصر مسلمان مورخ محمد ہاشم خفیہ طور سے اس زمانہ کے حالات لکھتا رہا، اور اس لیے وہ خافی خان کہلاتا ہے" لیکن اگر اس موقع پر ہمارے لائق مورخ عہدِ عالمگیری مین تاریخ نویسی کی ممانعت کو "ایک ہمعصر مسلمان مورخ" کے نام و لقب سے ثابت کرنے کے بجائے اس مسلمان مورخ کے بعض بیانات سے ثابت کرتے تو وہ اولاً ایسی فاش تاریخی غلطیون مین نہ پڑتے، اور بلکہ بہ ظاہر کسی حد تک وہ قرینِ قیاس واقعہ نظر آتا، وہ وہی بیان ہے، جس کی طرف ہم ابھی اشارہ کر آئے ہین، منتخب اللباب کے دیباچہ مین ہے:-

"اگرچہ خلاصۂ سوانح پنجاہ سال عہد آن پادشاہ جم جاہ تبذکار آوردن، آب دریا بکوزہ پیمودن است خصوص احوال چہل سال اواخر کہ مورخان از تسطیر آن ممنوع گشتہ، برشتہ بیان نکشیدہ اند، بحریست بے پایان[2]"

محمد ہاشم کا یہ ایک ایسا بیان تھا جس سے عہدِ عالمگیر مین تاریخ کی تدوین کے اتباع کا حکم نکل سکتا تھا، لیکن

[1] منتخب اللباب ج ۱ ص ۲ و ج ۲ ص ۸۰۷، [2] ایضاً ج ۲ ص ۲۰۳،

درحقیقت اس بیان کو بھی اس الزام سے دور کا بھی سروکار نہین ہے، اس مین ایک بالکل جداگانہ واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

واقعہ یہ ہے کہ سلاطین مغلیہ کے دربار مین تاریخ نویسی کا ایک سرکاری محکمہ ہوتا تھا، دربار کے چند اہل قلم تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور رہتے، وہ روزانہ بادشاہ اور دربار کے چھوٹے بڑے واقعات اور سلطنت کے حوادث و وقائع کو ترتیب دیکر کتاب کی شکل مین مرتب کرتے، اور پھر یہ کتاب فرمانروائے وقت کے سامنے پیش کیجاتی، وہ جہان چاہتا اس مین ردوبدل کر دیتا، چنانچہ توزک بابری، اکبرنامہ، جہانگیر نامہ اور شاہجہان نامہ وغیرہ اسی قسم کی تالیفات ہین، جو سلاطین مغلیہ کی نگرانی مین ترتیب پائی ہین، اور خود عالمگیر کے ابتدائی عہد حکومت کے دس سالون تک یہ طریقہ رائج رہا، چنانچہ اس کے ابتدائی دہ سالہ عہد حکومت کی تاریخ عالمگیر نامہ ہے، جس کو منشی محمد کاظم بن محمد امین نے مرتب کیا ہے، اور وہ ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع ہو چکی ہے، محمد کاظم اس کا مسودہ مرتب کرتا، اور اس کو عالمگیر خود ملاحظہ کرتا، اور پھر سال بسال کتاب ترتیب پاتی جاتی،

لیکن اگر مورخانہ دیانتداری سے دیکھا جائے، تو ان کتابون کی حیثیت کسی آزادانہ تاریخی تصنیف کی نہین قرار پاسکتی، بلکہ اسکی ایک حد تک وہی حیثیت ہوسکتی ہے، جو آجکل حکومتون کی سالانہ رودادون کی ہوتی ہے، لیکن پھر ان رودادون اور ان تصنیفون مین بھی ایک اصولی فرق ہوگا، کہ ان رودادون کی اشاعت و ترتیب کی ذمہ دار خود حکومت ہوتی ہے، اور اس لیے سیاسی و دیگر معاملات حکومت مین، حکومت اپنے طریق کار کی حمایت کرتی ہے، لیکن شاہان مغلیہ کے عہد کی وہ کتابین اگرچہ حکومت کی جانب سے ترتیب پاتی تھین، اور ان مین اسی کے نقطۂ نظر کو واضح کیا جاتا تھا، لیکن ان بیانات کی صداقت اور ان روایون کی صحت کی تمامتر ذمہ داری انہی مصنفین کے سر ہوتی تھی، اور ایک آزاد مورخ کے نام سے حکومت کی جا و بیجا حمایت کرائی جاتی تھی، اس لیے یہ فیصلہ بآسانی ہوسکتا ہے کہ حکومت کے مخالف پہلوؤن کے موقعون پر ان کتابون کا تاریخی پایۂ استناد کیا ہوسکتا ہے،

عالمگیر کا اگر کوئی جرم ہے تو یہی کہ اس نے اس مذموم تاریخ نویسی کے سلسلہ کو بالکل ممنوع قرار دیدیا، کہ تاریخین وہ ہونگی جو دوسرے آزاد اہل قلم لکھین نہ کہ وہ ہونگی جو حکومت کے زیر سایہ ترتیب پائین، چنانچہ اسی حکم کے مطابق منشی محمد کاظم کی تالیف عالمگیر نامہ کی ترتیب کا سلسلہ صرف دس برس کے حالات تک پہنچکر منقطع ہوگیا، عالمگیر نامہ ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع ہو چکی ہے، اُسے دیکھکر فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی آزاد نگار مورخ کا تاریخی شاہکار ہے یا سرکاری دفتر کی سرکاری کھتیونی، کہ جس مین مخالف حکومت اشخاص کے نام تک تحقیر و تذلیل سے لکھے گئے ہین اور خصوصاً "داراشکوہ" ہر جگہ "دارا بے شکوہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے،

عالمگیر نے اسی غیر مناسب سلسلۂ تاریخ نویسی کو مسدود کر دیا، چنانچہ جب عالمگیر کے عہد حکومت کے بعد اسی طرح اس کے بقیہ سال حکومت کی تاریخ "مآثر عالمگیری" مستعد خان کے قلم سے ترتیب پائی، تو اس نے اپنے دیباچہ مین اس حقیقت کو واضح کیا، وہ لکھتا ہے:-

"واضح باد کتاب بلاغت نصاب والاخطاب عالمگیر نامہ متضمن وقایع دہ سالہ دولت ابد طراز... ...ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی نگاشتہ خامہ بدایع نگار مرزا محمد کاظم سرآمد سخن سنجان نادرہ کار است وچون خدیو عالم صورت و معنی واقف اسرار بلندی و پستی را تاسیس بنا ے باطن مقدم بر اظہار آثار ظاہر بود راقم از تسوید ممنوع شد[1]..."

اسی بنا پر عالمگیر نامہ کے مقدمہ مین مصحح کتاب کا بیان حسب ذیل ہے:-

"وچون بندگان حضرت اعلی خاقانی بمقتضاے دانش خداداد و فطرت بلند و علو ہمت و وسعت حوصلہ ابقاء آثار ظاہر را در جنب محو ان وقعتے نہ نہادہ بتاسیس مآثر باطن بیشتر توجہ داشتند بعد از تدوین واقعات دہ سالہ حکم حقیقت شیم صادر شد کہ گذارندۂ داستان مفاخر و مکارم محمد کاظم مصنف کتاب مستطاب عالمگیر نامہ من بعد وقائع را بقید کتاب در نیاورد، لہذا او ہم بدان قدر

---

[1] دیباچہ مآثر عالمگیری قلمی کتب خانہ خدا بخش خان نمبر کتاب ۱۳۰ ورق ۲ و ۳، مطبوعہ نسخہ اس وقت پیش نظر نہین ہے،

اکتفا نمود........[1]"

یہ ہے اس الزام کی اصل حقیقت، غریب عالمگیر اپنی خاکساری و فروتنی سے اپنے مفاخر و مکارم کی بزم داستان گوئی کو منتشر کرتا ہے، لیکن اس پر الزام یہ آتا ہے کہ اس نے اپنے عہد کے مظالم کی پردہ پوشی کے لیے تدوینِ تاریخ پر عام حکمِ امتناع جاری کر دیا، اگر یہ واقعہ ہوتا تو ظالم عالمگیر کو اپنے پہلے دہ سالہ جرائم کے اخفا کے لیے جو باپ اور بھائیون کیساتھ اس نے کئے، اپنے ابتدائی دہ سالہ تاریخ کو خاکستر کرنا چاہئے تھا، نہ کہ آیندہ کے واقعات کو جنمین مرہٹون کی جنگ کے سوا کوئی اور اہم باب نہین،

بہرحال اگر درحقیقت عالمگیر کے عہد مین تدوینِ تاریخ کا سلسلہ واقعی روک دیا گیا ہوتا، تو آج بہت سی کتابین جو عہدِ عالمگیر مین ترتیب پائی ہین، عالمِ وجود مین نہ آئی ہوتین، ورنہ عالمگیر کے عہد مین پرچہ نویسی و واقعہ نگاری کا جو نظام قائم تھا، اس سے ممکن نہ تھا کہ مورخین اپنی کتابین لکھتے اور پرچہ نویس ان سے بے خبر ہوتے، چنانچہ اسوقت یورپ اور ہندوستان وغیرہ کے مختلف کتب خانون مین عہدِ عالمگیری کی بہ کثرت کتابین موجود ہین، اور سب سے پرلطف یہ ہے کہ ان تالیفات مین نہ صرف مسلمان مورخین کی کتابین ہین، بلکہ اس عہد کے ممتاز ہندو اہلِ قلم کی تصنیفات بھی ہین، اور ہمارے دورِ حاضر کے ہندو مورخین کے لیے یہ واقعہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہوگا، کہ عہد عالمگیر کے ہندو مورخین نے عہدِ عالمگیر کی تاریخ، عہدِ عالمگیر مین مرتب کرکے خود عالمگیر کے نام معنون کی، اور اپنی اپنی تالیفات ہاتھ مین لیکر عالمگیر کے دربار مین حاضر ہوئے۔

ذیل مین عہدِ عالمگیری کی تاریخی تصنیفات کی ایک فہرست پیش کیجاتی ہے، امید ہو کہ یہ فہرست ہمارے لائق مورخ کے تمام شکوک و شبہات کو دور کر دیگی، اس سلسلہ مین پہلے مسلمان مورخین کی کتابین درج کیجاتی ہین، اور پھر ہندو مورخین کی کتابین درج کیجائینگی، مسلمان مورخین کی کتابین حسب ذیل ہین:-

۱- **واقعات عالمگیری**، مصنفہ امیر خان، آئین عالمگیر کی ولادت، شاہزادگی اور پھر تخت نشینی سے شاہجہان کی وفات تک کے حالات ہین، اسکا ایک نسخہ کتب خانۂ دارالمصنفین مین ہے،

[1] مقدمہ عالمگیر نامہ ص ۵،

۲- **عجیبہ غریبہ**، جو فتحیہ عبریہ یا عبریہ بھی کہلاتی ہی، مؤلفہ شہاب الدین طالش بن محمد ولی احمدیہ کوچ بہار اور آسام کی فتح عالمگیری کی تاریخ ہے، جو عہد عالمگیری کے ابتدائی سالون مین پیش آئی، زمانہ تالیف سنہ ۱۰۷۳ھ ہے،

۳- **واقعاتِ عالمگیر**، مولفہ عاقل خان رازی، عالمگیر کے ابتدائی پانچ سالون از سنہ ۱۰۶۸ تا سنہ ۱۰۷۳ تک کی تاریخ ہی،

۴- **تاریخ شاہ شجاعی**، مؤلفہ محمد معصوم بن حسن صالح، شاہ شجاع کی جنگون کے حال مین ہی، زمانہ تالیف سنہ ۱۰۷۰ ہے، (بانکی پور ج ۷، ص ۸۱)

۵- **آئینۂ بخت**، مؤلفہ بختاور خان، کتاب کا آغاز تصنیف سنہ ۱۰۷۸ھ مین ہوا، اسمین بابر سے شاہجہان تک کے مختصر حالات اور عہد عالمگیری کے ابتدائی دہ سالہ حکومت کے مفصل واقعات ہین، اور مصنف کے بیان کے مطابق "علت غائی اس تالیف کی عالمگیر کے حالات ہین" یہ نسخہ رامپور کے کتب خانہ مین موجود ہی، اور اسکا مفصل تذکرہ انہی اوراق کے گذشتہ نمبر مین شائع ہو چکا ہے، بختاور خان نے سنہ ۱۰۹۶ء مین وفات پائی، اور عالمگیر نے خود نماز جنازہ پڑھائی، (معارف ج ۲۹ نمبر ۴)

۶- **مراۃ العالم**، بختاور خان کی ایک دوسری تالیف مراۃ العالم کے نام سے برٹش میوزیم مین موجود ہے، اس تصنیف کی تاریخ بھی "آئینہ بخت" ہے، منشی احمد علیخان صاحب مہتمم کتب خانہ رامپور کا خیال ہے کہ غالباً بختاور خان نے ابتداً صرف بابر سے عالمگیر تک کے حالات لکھے، اور اس کا نام آئینہ بخت رکھا، پھر اسی کو وسعت دیا، اور اس کو "مراۃ العالم" سے موسوم کیا، اور اس کا تاریخی نام "آئینہ بخت" باقی رکھا، لیکن انڈیا آفس کی فہرست مخطوطات کے مرتب نے اس تالیف مراۃ العالم کو شیخ محمد بقا (سنہ ۱۰۳۷- سنہ ۱۰۹۴) کی تالیف قرار دیا ہے، (برٹش میوزیم ج ۱ ص ۱۲۵، انڈیا آفس نمبر کتاب ۱۲۴ تا ۱۲۶)

۷- **مراۃ جہان نما**، یہ اسی شیخ محمد بقا (مولود سنہ ۱۰۳۷- متوفی سنہ ۱۰۹۴) کی تالیف ہی، جسمین عالمگیر کے دہ سالہ حکومت تک کی تاریخ ہے، اور سنہ ۱۰۹۴ مین مصنف کی وفات کے بعد اس کے بھتیجے محمد شفیع (سنہ ۱۰۹۵ء) نے اس کو عہد عالمگیری ہی مین اڈٹ کیا، انڈیا آفس مین اسکا ایک نسخہ موجود ہے (نمبر کتاب ۱۲۶)

۸- **زینۃ التواریخ**، مولفہ عزیز اللہ، یہ تاریخ عام ہے زمانہ تالیف سنہ ۱۲۱۶ھ ہے، برٹش میوزیم مین موجود ہے،

۹- **تنقیح الاخبار**، مؤلفہ ملا محمد، یہ بھی عہد عالمگیری کی تالیف ہی، یہ فرخ سیر کے عہد سنہ ۱۱۲۵ تک کی عام تاریخ ہے

عہدِ عالمگیر مین سنہ ۱۱۱۰ھ سے اس کی تالیف شروع ہوئی،

۱۰- **آداب عالمگیری**، مؤلفہ منشی الممالک شیخ ابو الفتح قابل خان، یہ کتاب عہدِ عالمگیری کے سرکاری دستاویزات اور خطوط وغیرہ پر مشتمل ہے، سنہ ۱۱۱۵ھ مین یہ مجموعہ کتاب کی شکل مین مرتب ہوا، اور اسکی تاریخ "گل از باغ جان" سے متعین ہوگئی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ ہمارے کتب خانہ دار المصنفین مین بھی موجود ہے،

۱۱- **خلاصہ عالمگیر نامہ**، مؤلفہ حاتم خان، یہ اگرچہ عالمگیر کے ابتدائی دہ سالہ عہد کی تاریخ ہے، لیکن اس دس سال کے بعد ترتیب پائی ہے، جب عالمگیر نے محمد کاظم کے عالمگیر نامہ کی ترتیب روک دی تھی، یہ تمامتر اسی کا خلاصہ ہے، اور برٹش میوزیم کا نسخہ عالمگیر کے ۴۸ وین سال حکومت سنہ ۱۱۱۵ھ کا مکتوب ہے،

۱۲- **وقائع نعمت خان عالی**، اسمین عالمگیر کے حملۂ حیدر آباد سنہ ۱۰۹۷ھ کے چند دنون کے حالات قلمبند کئے گئے ہین، جو اسی زمانہ مین لکھے گئے تھے،

۱۳- **جواہر التواریخ**، مؤلفہ سلمان قزوینی، یہ از ابتدائے آفرینش تا عہدِ عالمگیر کے حالات پر مشتمل ہے، لیکن بوڈلین لائبریری مین جو نسخہ ہے، وہ جہانگیر کے عہد تک کے حالات مین ہے، مگر مصنف نے دیباچہ مین عہدِ عالمگیر تک کی تاریخ کی ترتیب بتائی ہے، اور مرتب فہرست نے اسکو عہدِ عالمگیر کی تصنیف قرار دیا ہے کہ عالمگیر کے نام کیساتھ "خلد اللہ ملکہ" کے الفاظ ہین (بوڈلین نمبر کتاب ۱۶۸)

۱۴- **مجموعہ اقتباس تواریخ مختلفہ**، یہ بوڈلین لائبریری کا ایک نسخہ ہے، مصنف کا نام درج نہین، لیکن سنہ تالیف ۱۰۸۹ھ ہے، اسمین حسب ذیل تاریخون کے خلاصے ہین، تاریخ سلاطین خلافت تزیین سلسلہ علیہ صفویہ، مشتمل بر حالات از سنہ ۹۰۶ تا سنہ ۱۰۸۹ھ، تواریخ بعضی از فتوحات و تسخیر قلاع و ولادت و سوانح و واقعات، و بنائے مساجد و روضات و ابنیہ و عمارات و حیاض و باغات و تولد و عروسی شاہزادہ عالی کامگار مشتمل تا سنہ ۱۰۶۲ھ، تاریخ سلطنت بادشاہ خلجیہ، تاریخ سلاطین سلسلہ علیہ صاحبقران امیر تیمور گورگانی، فتح نامہ کہ مولانا علی کل از برائے حسین نظام شاہ نوشت و تاریخ سلاطین سلسلہ علیہ قطب شاہیہ تا حالات سنہ ۱۰۲۸ھ (بوڈلین نمبر کتاب ۱۱۳)

اب ذیل مین عہدِ عالمگیر کے چند ہندو مورخین کی کتابین پیش ہین،

۱۵- **فتوحات عالمگیری**، مصنفہ ایسر داس قوم ناگر متوطن بلدہ پٹن، اسمین عالمگیر کی تخت نشینی سے ۳۴ ویں

سال حکومت ۱۱۰۲ھ تک کے حالات ہیں، یہ عہد عالمگیری کی تالیف ہے (تفصیل کیلئے دیکھو فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۲۶۹)

۱۶۔ **نسخہ دلکشا**، مؤلفہ بھیم سین ولد رگھونندن داس، یہ عالمگیر کی دکنی معرکہ آرائیوں کی رزمیہ تاریخ ہے جسمین عالمگیر کی دکنی فوج کشی سے شاہ عالم کی تخت نشینی تک کے حالات ہیں، بھیم سین ۱۰۵۹ھ مین پیدا ہوا، اور عالمگیر کی دکنی فوج سے وابستہ تھا، تاریخ کی ترتیب اگرچہ عالمگیر کی وفات کے دو سال بعد ۱۱۲۰ھ مین اختتام کو پہنچی، لیکن اسکا بیشتر حصہ وہ عالمگیر ہی کے عہد حکومت مین جب وہ مختلف مقامات پر جاتا رہا، ترتیب دیتا رہا، (برٹش میوزیم)

۱۷۔ **منتخب التواریخ** مؤلفہ جگجیون داس ولد منوہر داس، اسکا مصنف عالمگیر کے عہد حکومت مین ۱۱۰۵ھ سے اس کا مواد فراہم کرتا رہا، لیکن ترتیب کا موقع نہین ملا، یہانتک کہ ۱۱۲۰ھ مین اس کو مرتب کیا، (برٹش میوزیم)

۱۸۔ **لب التواریخ ہند**، مولفہ رائے بندرابن پسر رائے بہارمل، اسمین ہندوستان کے مسلمان فرمانروا شہاب الدین غوری (۵۷۲ھ) کے عہد سے عالمگیر کے ۳۲ وین سال حکومت ۱۱۰۱ھ تک کے حالات ہین، عالمگیر کے عہد مین تالیف ہوئی اور اوراس کا ایک نسخہ اسی عہد یعنی عالمگیر کے ۴۲ وین سال حکومت ۱۱۱۰ھ (۱۶۹۸) کا لکھا ہوا، انڈیا آفس مین موجود ہے،

اس کتاب کی نمایان خصوصیت یہ ہے کہ اس ہندو مصنف نے اپنی یہ تالیف خود عالمگیر کے نام معنون کی ہے،

۱۹۔ **خلاصۃ التواریخ**، مولفہ سنجان رائے) بعض نسخون مین سبحان رائے یا بعض مین سوجن رائے) یہ بھی ہندوستان کی عام تاریخ ہے، اور عالمگیر کے عہد کے چالیس سال یعنی ۱۱۰۷ھ (۱۶۹۵) تک کے حالات پر ختم ہوئی ہے، اور اسی سال یعنی ۱۱۰۷ھ (۱۶۹۵) مین اختتام کو پہنچی، اور عالمگیر کی خوش قسمتی ہے کہ اس ہندو مصنف نے بھی اپنی یہ تاریخی تالیف عالمگیر کے نام معنون کی ہے، اسکا ایک نسخہ کتب خانہ دارالمصنفین مین بھی موجود ہے، اور اسمین مصنف کا نام سنجان رائے متوطن بٹالہ (یا پٹیالہ) ہے،

لیکن تاریخی حیثیت سے عہد عالمگیری کی ان تصنیفات سے زیادہ، اس عہد کے مجموعۂ مکاتیب و فرامین و احکام کو اہمیت حاصل ہے، یہ خطوط و احکام حسب ضرورت صادر ہوے، اور روزانہ جو حوادث پیش آئے، اور حوادث کے مختلف پہلوون مین جو حکمت عملی اختیار کیگئی اور جو سیاست برتی گئی، یہ خطوط و فرامین انکا صحیح ترین مرقع ہین، یہ اس عہد کے پوشیدہ سے پوشیدہ رسل و رسائل کی وہ کڑیان ہین، جنھین دور حاضر کی حکومتین بھی اظہار اخفا مین رکھتی ہین، اس لیے عالمگیری عہد کی تاریخ کا حقیقی آئینہ یہی بن سکتی ہین، کیونکہ یہ خطوط

وفرامین جب صادر ہوئے تھے، اسوقت نہ ان کی اشاعت کا خیال تھا، اور نہ انھیں حوادثِ عالمگیری کے حق و باطل میں فیصلہ کا قرار دینے کا تخیل تھا،

لیکن عہد عالمگیری کے چند سال گذرنے کے بعد جب لوگون کو ان مکاتیب و فرامین کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا تو عالمگیر نے اسین کوئی مزاحمت نہیں کی، اور اسی عہد مین اس قسم کے مختلف مجموعے تیار ہو گئے، اور ان خطوط مین صرف عالمگیر کے مکاتیب نہین ہین بلکہ اس عہد کی تاریخ کی اہم شخصیتون شاہجہان، برادرانِ عالمگیر شاہزادگانِ عالمگیر سیواجی جے سنگھ، اور مختلف سربرآوردہ عمالِ حکومت کے خطوط جمع کئے گئے،

اور اسی طرح لوگون نے عالمگیر کے سرکاری کاغذات کو استعمال کیا، اور اُن سے فرامین و احکام کے مختلف مجموعے تیار کئے گئے لیکن عالمگیر نے ان سرکاری کاغذات سے جمع و ترتیب کرنے مین منع نہین کیا،

اور خود عالمگیر نے بھی اپنے سرکاری کاغذات کا مکمل و منظم دفتر قائم رکھا، جو اس عہد کی تاریخ مین نہایت اہمیت رکھتے تھے، چنانچہ اسوقت بھی انڈیا آفس مین عالمگیری عہد کے سرکاری کاغذات کا ریکارڈ موسومہ اخبارات دربارِ معلّی موجود ہے، جس مین عالمگیر کے ۲۴ وین سال حکومت تک کے جستہ جستہ کاغذات ہین لیکن ۲۴ وین سال حکومت سے عہد آخر تک کی مکمل کڑیان موجود ہین،

اور اسی طرح عہد عالمگیری کے مکاتیب و فرامین کے بکثرت مجموعے مختلف مقامات پر آج بھی پائے جاتے ہین، جنکے حوالے سرجدوناتھ سرکار اور ہمارے دوست سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے نے اپنی اپنی تالیف مین مفصل درج کئے ہین،

ان مجموعون کو نہ صرف مسلمان اہل قلم نے جمع کیا ہے، بلکہ ان مین ہندو مرتبین بھی شامل ہین،

اس لیے عالمگیر پر یہ الزام لگانا کہ اس نے تاریخ نویسی کو قانوناً جرم قرار دے دیا تھا، عالمگیر پر ظلم ہونے کے بجائے خود اپنی تاریخ دانی پر کس قدر صریح ظلم ہے،

مضامین عالمگیر

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔ مورخانہ تحقیق و تنقید کا ہندوستان مین پہلا نمونہ، قیمت باختلاف کاغذ طبع عہ، وعہ، "منیجر"

اسلامی دنیا کے اخبار و رسائل

از

جناب محمد یعقوب صاحب بی۔ اے، لکھنو،

۳۔ ہندوستان،

ہندوستان مین مطبع فرنگیون کی بنگال مین حکومت مستحکم ہونے کے بعد جاری ہوا، لیکن اس پر بھی غدر کے زمانہ مین صرف ۹ اینگلو انڈین اور ۲۵ ہندوستانی اخبار نکلتے تھے، موجودہ حالت مین ہندوستان مین اخباری دنیا کے لحاظ سے بہت ترقی ہوئی، اس کے متعلق صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ (۲۰۰۰) سے زیادہ اخبار اور (۲۵۰) سے زیادہ میگزین نکلتے ہین جنمین مسلمانون کی حالت دوسرے درجہ کی ہے، اور کل تعداد (۲۲۵) سے کچھ زیادہ ہے جیسا کہ ذیل کا نقشہ بتا رہا ہے،

ہندوستان کے اسلامی اخبار و رسائل

۱۔ مدراس وحیدرآباد

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱	آزاد ہند	اردو	ٹریلیکین
۲	دارالاسلام	تامل	مدراس
۳	گن ناسیربان	تامل	وجاپورم
۴	حکیم اور وطن	انگریزی	مدراس

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۵	جلیتھا یتھ	ملایلم	کالی کٹ
۶	اسلام دوتان	ملایلم	کیام کلم
۷	کریاچندرکا	انگریزی اور ملایلم	ٹراونکور
۸	ملابار اسلام	انگریزی اور ملایلم	ریاست کوچین
۹	مخبر دکن	اردو	مدراس
۱۰	منیر الاسلام	ملایلم	کیام کلم
۱۱	مسلم اخیسام	ملایلم	ٹراونکور
۱۲	مسلم ساہکاری	ملایلم	کالی کٹ
۱۳	نیلگری ٹائمز	انگریزی	اُٹوکمنڈ
۱۴	قاسم الاخبار	اردو، تامل اور انگریزی	مدراس
۱۵	قومی رپورٹ	اردو	مدراس
۱۶	رہبر دکن	"	حیدرآباد
۱۷	رسالہ المعالج	"	افضل گنج
۱۸	رسالہ اتالیق	"	حیدرآباد
۱۹	رسالہ محبوب النظیر	"	حیدرآباد
۲۰	رسالہ نونہال	"	"
۲۱	رسالہ واعظ	"	"
۲۲	رسالہ النساء	"	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۲۳	صحیفہ	اردو	حیدر آباد
۲۴	سیف الاسلام	تامل	مدراس
۲۵	شمس الاسلام	ملایم	کارنگاپلی
۲۶	رسالہ اردو	اردو	اورنگ آباد (دکن)
	۲- بمبئی		
۱	آفتاب الاسلام	گجراتی	راجکوٹ پارا
۲	اخبار	گجراتی	بمبئی
۳	اخبار الاسلام	"	"
۴	العزیز	"	جودیا
۵	الحقیقت	"	لرکانا
۶	الحق	انگریزی اور سندھی	سکھر
۷	الاسلام اور مومن مترا	گجراتی	بمبئی
۸	الاکمال	گجراتی	بمبئی
۹	الاختیفا (؟)	انگریزی اور سندھی	لاڑکانہ
۱۰	الوحید	انگریزی اور سندھی	کراچی
۱۱	بیگ مومن	گجراتی اور اردو	امریلی
۱۲	بھائی نیوز	انگریزی اور فارسی	کراچی
۱۳	بہاو مجلس	گجراتی	بمبئی

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱۴	فیض عام	گجراتی	احمد آباد
۱۵	گلزار سخن	اردو	پونا صدر
۱۶	انصاف	گجراتی	بمبئی
۱۷	عرفان	اردو	"
۱۸	اشاعت الاسلام	گجراتی	"
۱۹	اسمٰعیلی	انگریزی اور گجراتی	"
۲۰	کاٹھیاوار	گجراتی	اپلیٹا
۲۱	خلافت	گجراتی	بمبئی
۲۲	خلافت بلیٹن	انگریزی	"
۲۳	منہار	گجراتی	"
۲۴	میمن مترا	"	"
۲۵	میمن سماچار	"	کراچی
۲۶	مرچنٹ اڈورٹائزر	"	بمبئی
۲۷	محب	"	لمبدی
۲۸	مسلم ہرلڈ	اردو	بمبئی
۲۹	پولیٹکل بوہمیو	انگریزی اور گجراتی	احمد آباد
۳۰	راہ نجات	گجراتی	بھاونگر
۳۱	روزنامہ خلافت	اردو	بمبئی

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۳۲	ست پنت پرکاش	گجراتی	احمد آباد
۳۳	سندھ زمیندار	انگریزی اور سندھی	سکر
۳۴	سلطان الاخبار	اردو	بمبئی
۳۵	تامل	سندھی	حیدرآباد
۳۶	توحید	سندھی اور عربی	کراچی
۳۷	وفادار	انگریزی، گجراتی اور اردو	نواساری (بڑودہ)

۳- ممالک متحدہ

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱	آگرہ اخبار	اردو	آگرہ
۲	البشیر	"	اٹاوہ
۳	البرید	"	کانپور
۴	علی گڑھ گزٹ	"	علی گڑھ
۵	الامداد	"	مظفر نگر
۶	الخلیل	"	بجنور
۷	الہ آباد ایڈورٹائزر	انگریزی	الہ آباد
۸	اسٹار	انگریزی	"
۹	الناظر	اردو	لکھنؤ
۱۰	دبدبۂ سکندری	"	ریاست رامپور
۱۱	دربار	"	آگرہ

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱۲	دلچسپ اخبار	اردو	فتح پور
۱۳	حق	″	لکھنؤ
۱۴	حقیقت	″	″
۱۵	ہمدم	″	″
۱۶	استقلال	″	کان پور
۱۷	انصاف	″	″
۱۸	سچ	″	لکھنؤ
۱۹	ہمت	″	″
۲۰	انڈین ورلڈ	انگریزی	کان پور
۲۱	انقلاب	اردو	لکھنؤ
۲۲	اقدام	″	مرادآباد
۲۳	اتحاد	″	امروہہ
۲۴	جادو	″	جون پور
۲۵	منصور	″	بجنور
۲۶	مشاہیر	″	بدایون
۲۷	مشرق	″	گورکھپور
۲۸	مکہ مدینہ	″	مراد آباد
۲۹	مدینہ	″	بجنور

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۳۰	ملت	اردو	میرٹھ (دہلی ؟)
۳۱	معارف	اردو	اعظم گڈھ
۳۲	مخبر عالم	"	مراد آباد
۳۳	نیر اعظم	"	"
۳۴	نجات	"	بجنور
۳۵	نقیب	"	بدایون
۳۶	نوید	"	بلند شہر
۳۷	نظام عالم	"	کانپور
۳۸	اودھ پنچ	"	لکھنؤ
۳۹	پیغام	"	فیض آباد
۴۰	پردہ نشین	"	آگرہ
۴۱	رہنما	"	مراد آباد
۴۲	رہیل کھنڈ گزٹ	"	بریلی
۴۳	روزانہ اخبار	"	"
۴۴	سیارہ	"	لکھنؤ
۴۵	شیعہ کالج نیوز	"	"
۴۶	سررشتہ روزگار	"	آگرہ
۴۷	تبلیغ	"	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۴۸	ظریف	اردو	سہارنپور
۴۹	ذوالقرنین	اردو	بدایون
۵۰	مبصر	"	لکھنؤ
۵۱	نگار	"	"
۵۲	النجم	"	"
۵۳	صحیفۂ وارث	"	دیوہ (بارہ بنکی)

۴۔ صوبہ متوسط اور برار

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱	ادیب	اردو	ناگپور
۲	البرہان	اردو	برہان پور
۳	گلزار حکیمی	گجراتی	خاماگاؤن
۴	سیمی ساہا	اردو اور گجراتی	نرسنگھ پور
۵	تاج	اردو	جبل پور

۵۔ بہار اور اڑیسہ

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱	اصلاح	اردو	رگھناتھ پور
۲	المبشر	اردو	پٹنہ
۳	اتحاد	"	"
۴	بہارستان	"	"
۵	ندیم	"	گیا

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۶	الجامعہ	اردو	مونگیر
۷	اقدام	"	پٹنہ

۶- بنگال

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱	الہلال	اردو	کلکتہ
۲	اہل حدیث	بنگالی	"
۳	البلاغ	اردو	"
۴	پیغام	"	"
۵	الجامعہ	عربی	"
۶	ہند	اردو	"
۷	الکمال	اردو	"
۸	الرفیق	اردو	"
۹	بہادر	بنگالی	"
۱۰	بن گیا مسلم سہیتہ پترکلے	"	"
۱۱	بنگال پریسیڈنسی گزٹ	انگریزی اور بنگالی	ناتور
۱۲	دھمکیتو	بنگالی	کلکتہ
۱۳	ہنٹر بھیگار	اردو	"
۱۴	انقلاب زمانہ	اردو	"
۱۵	اسلام درشن	بنگالی	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱۶	جادو	اردو	ڈھاکہ
۱۷	حور	"	کلکتہ
۱۸	محمدی	بنگالی	"
۱۹	مسلمان	انگریزی	"
۲۰	نوخالی تماشی	بنگالی	قصبہ نوخالی
۲۱	نوخالی سیلانی	بنگالی	قصبہ نوخالی
۲۲	پیس	انگریزی	ڈھاکہ
۲۳	رتناکر	بنگالی	قصبہ آسنسول
۲۴	رعیت بندھو	بنگالی	کلکتہ
۲۵	سنار بھارت	بنگالی اور انگریزی	"
۲۶	سلطان	بنگالی	"
۲۷	چوپخ	اردو	"
۲۸	آفتاب	اردو	"
۲۹	ہند جدید	کلکتہ	"

۷۔ پنجاب

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱	روزنامہ زمیندار	اردو	لاہور
۲	اہلحدیث	اردو	امرتسر
۳	روزنامہ انقلاب	اردو	لاہور

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۴	روزنامہ سیاست	اردو	لاہور
۵	اختر	"	لاہور
۶	الواعظ	"	پٹیالہ
۷	البرہان	"	لاہور
۸	البشریٰ	انگریزی	قادیان
۹	الفلاح	اردو	جلندھر
۱۰	الفقیہ	"	امرتسر
۱۱	الفضل	"	قادیان
۱۲	الحکم	"	قادیان
۱۳	الحکیم	"	لاہور
۱۴	الاسلام	"	لاہور
۱۵	الکمال	"	لاہور
۱۶	المعالج	"	امرتسر
۱۷	المنیر	"	لاہور
۱۸	انگارہ	"	امرتسر
۱۹	انوار الصفا	"	امرتسر
۲۰	ڈاکٹر	"	لاہور
۲۱	دُرِ نجف	"	سیالکوٹ

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۲۲	فاروق	اردو	قادیان
۲۳	ہمدرد	"	لاہور
۲۴	ہزار داستان	"	"
۲۵	ھمایون	"	"
۲۶	حریت	"	"
۲۷	انڈین آرچیٹکٹ	"	"
۲۸	انڈین سیٹیوز اینڈ کیسنر	انگریزی	"
۲۹	انتخاب لاجواب	اردو	"
۳۰	انقلاب	"	"
۳۱	اشاعتِ اسلام	"	"
۳۲	اشاعت القرآن	"	"
۳۳	اصلاح	"	لدھیانہ
۳۴	اسلامک ورلڈ	انگریزی	لاہور
۳۵	اسماعیلی صداقت	اردو	راولپنڈی
۳۶	استقلال	"	پانی پت
۳۷	اتحاد اسلام	"	امرتسر
۳۸	کاکنیری نیشنل میگزین	"	لاہور
۳۹	کشمیری	"	لاہور

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۴۰	منظر	اردو	لاہور
۴۱	مشیر الاطبار	"	"
۴۲	مسٹر گزٹ	"	"
۴۳	محبت	"	"
۴۴	مسلمان	"	سودھارا
۴۵/۱	مسلم آؤٹ لک	انگریزی،	لاہور
۴۵/۲	مسلم راجپوت	اردو	امرتسر
۴۶	مزارع	"	جالندھر
۴۷	نقشبند	"	سیالکوٹ
۴۸	نور	"	قادیان
۴۹	نیرنگ خیال	"	لاہور
۵۰	نصرت	"	"
۵۱	پیسہ اخبار	"	"
۵۲	پیام محبت	"	"
۵۳	پھول	"	"
۵۴	پولیٹکل رہنما	"	"
۵۵	پولیٹکل رہنما	"	امرت سر
۵۶	پنجابی خیالات	"	ٹپالہ

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۵۷	رفیق صادق	اردو	بٹالہ
۵۸	رفیق تعلیم	"	لاہور
۵۹	رہنمائے صحت	"	لاہور
۶۰	ریلوے یونین	"	"
۶۱	ریاض ہند	"	امرتسر
۶۲	رسالہ انجمن حمایت اسلام	"	لاہور
۶۳	رسالہ ستلج	"	لدھیانہ
۶۴	رسالہ شیخ قانون گو	"	لیالپور
۶۵	سنت	"	لاہور
۶۶	شباب اردو	"	لاہور
۶۷	سلک مروارید	"	بٹالہ
۶۸	سیاست	"	لاہور
۶۹	صوفی	"	پنڈی بہاء الدین
۷۰	طبیب	"	لاہور
۷۱	تبلیغ	"	لاہور
۷۲	تبصیر الطابع	"	شاہدرہ
۷۳	تفریح	"	لاہور
۷۴	رسالہ عالمگیر	"	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۷۵	تاریخ	اُردو	لاہور
۷۶	تہذیب النسوان	"	لاہور
۷۷	توحید	"	امرتسر
۷۸	استانی	"	بٹالہ
۷۹	وطن	"	لاہور
۸۰	وکیل	"	امرتسر
۸۳	ادبی دنیا	"	لاہور

۸ - برھما

۱	ارکان نیوز	انگریزی	اکیاب
۲	شیر	اردو	رنگون

ہندوستان کے بعض مسلمان اخبارات بین الاقوامی شہرت رکھتے ہین جو انگریزی مین طبع ہوتے ہین، ریویو آف ریلیجن، (قادیان) مسلم آوٹ لک، (لاہور) مسلم کرانیکل (مدراس) تبیس (ڈھاکہ) قابل ذکر ہین، کلکتہ کا انگریزی رسالہ مسلم ریویو اور حیدرآباد کا انگریزی رسالہ اسلامک کلچر بہترین علمی اسلامی رسالے ہین، جنھون نے اسلامی علوم و فنون و تمدن کی خوبیون کو ہر طرح آشکارا کیا ہے، اور اخبار الجامعہ و حبل المتین کلکتہ بھی جو عربی اور فارسی مین نکلتے تھے عالم اسلامی مین بین الاقوامی شہرت رکھتے تھے، دی لائٹ (لاہور) اور اسلامک ورلڈ (لاہور) مسلم مشن کے اخبارات ہین۔

۴ - افغانستان

مسلمانون کا پہلا علمی اخبار افغانستان مین ۱۹۱۰ء مین جاری ہوا امیر امان اللہ خان کے دورِ حکومت مین کئی ہونہار اخبارات نکلے لیکن گردشِ زمانہ نے ان کو سنبھلنے نہ دیا، امان افغان (۱۹۱۹ء) کابل سے اتحاد

مشرق (۱۹۲۰ء) جلال آباد سے شائع ہوئے، لیکن ابھی تک کوئی نمایاں ترقی اس باب مین نہین ہوئی، شاہ نادر کے دور مین ۱۹۳۰ء سے ایک اخبار الاصلاح فارسی مین نکلنا شروع ہوا ہے، ہرات، کابل اور جلال آباد سے علاوہ ان اخبارون کے ایک ایک اخبار اور نکلتا ہے لیکن زیادہ تر یہ سب فارسی مین شائع ہوتے ہین،

۵- جاپان و لنکا،

ہندوستانی مسلمانون نے ٹوکیو مین سب سے اول پہلا اسلامی اخبار ۱۹۱۰ء اپریل میں شائع کیا تھا لیکن زیادہ عرصہ تک نہ چلا مسلمانون کی حالت جاپان مین زیادہ اچھی نہین ہے، صرف چند طالب العلم ٹوکیو مین اور کچھ سوداگر یاکوہاما اور کوجی مین اقامت گزین ہین،

لنکا سے صرف کریسنٹ کی اشاعت ہوتی ہے،

۶- مجمع الجزائر مشرق ہند

اگرچہ مسلمانون کی تعداد ان جزائر مین بہت زیادہ ہے لیکن پڑھے لکھے اشخاص کی بے حد کمی ہے، مسلمانون کی کئی علمی مجلسین بھی ہین، جنمین شرکت اسلام و محمدی اور بدوا تیمو بہت با اثر ہین، ان مین سے چند اہم مقامات ہین، سورابیا، اور بٹاویا خاص اخبارون کے مرکز ہین، اور اسلامی اخبارات حسب ذیل تعداد مین ان مختلف جزیرون سے نکلتے ہین،

نام جزیرہ	تعداد	نام جزیرہ	تعداد
جاوا	۸	جاوا کے قریب کے جزائر	۳۶
سوماترا اور آس پاس کے جزیرے	۱۰		

مسلمانون کے پانچ مذہبی رسائل اور تین عربی رسالے بھی شائع ہوتے ہین جنمین لائٹ آف سماترا، بینگ جاوا، بینگ سوماترا، لائٹ آف انڈیا، لائٹ آف مناہسا، لائٹ آف اسلام، ریو آف اسلام، اگری منٹ اور ڈس اگری منٹ، اور روتی ایریا آف اسلام بہت مشہور ہین، گوکہ تجارت کی حالت ان دنون بہت خراب ہے لیکن اس پر بھی ان اخبارات کا وہان پر ہونا یہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اسلام ان لوگون مین زندہ ہے اور اس کی جڑین

حالت مین وہ تبلیغ کا کام کر رہے ہین مشہور شہر جن سے اخبار نکلتے ہین وہ مع تعداد اخبار حسب ذیل ہین،

نام شہر	تعداد	نام شہر	تعداد
ولیٹیو رڈن	۱۶	سولو	۷
بٹیویا	۱۶	بنڈنگ	۵
سیمارنگ	۱۰	سوریبرا	۵
پیڈانگ	۱۰	مدان	۵
جوکیتر	۹		

اور باقی اخبارات ادھر اودھر چھوٹے چھوٹے مقامات سے نکلتے ہین، بہت سے اخبارات عہد سلف کے اسلام کو زندہ کرنے کے خواہشمند ہین، اور بہت زیادہ تعداد ان اخبارات کی بھی ہے، جو ترکی کے حامی ہین، پردہ اٹھانے کی خواہش اور یورپ کے مقابلہ کرنے کی امنگ، ان کے دلون مین بھری ہوئی ہے، "تاج اسلام،، زیادہ تر مسلم اتحاد اور مسلمانون کی ترقی کا حامی ہے، اسمین مسلم کتابون، مسلم دکانون اور مسلم کارخانون ہی کے اشتہار چھپتے ہین، مضمون بیشتر رسول کریمؐ کی پیدایش، خلفائے راشدین کے اخلاق وعادات اور انصار کی مہمان نوازی وغیرہ وغیرہ کے متعلق ہوتے ہین، آجکل مسلم اخبارون کی مجموعی تعداد جو ان جزائر مین شائع ہوتی ہے (۱۰۰) سے کچھ اوپر ہے،

۷- فارس

فارس مین ۱۸۵۱ء سے قبل کوئی مطبع نہ تھا، ۱۹۰۶ء مین دستور سلطنت کے بننے پر صرف تین یا چار اخبار نکلتے تھے، اور ان کی بھی کوئی زیادہ اہم حیثیت نہ تھی، فارسی زبان مین مشہور اخبارات زیادہ تر فارس کے باہر سے نکلے، قسطنطنیہ، قاہرہ، لندن اور کلکتہ سے اُن کی اشاعت ہوئی، کلکتہ سے حبل المتین ۱۸۹۳ء مین نکلا، ثریا، قاہرہ سے ۱۸۹۸ء مین پہلی مرتبہ جاری ہوا، اور بعدہٗ اس کی جگہ پرورش نے لی، لیکن انقلاب کے بعد صوراسرافیل، نسیم شمال، اور مساوات نے ترقی پکڑی، اس عرصہ مین سیکڑون کی تعداد مین چھوٹے چھوٹے اخبارات نکلے اور تباہ

دبرباد ہوگئے، جنکی تعداد کم ازکم ۵۰۲ تھی، نومبر ۱۹۱۵ء سے، ۱۴ اخبار اور میگزین نکلے جو حسب ذیل مقام پر شائع ہوئے

طہران (۱۸) شیراز (۷) تبریز (۴) رشت (۴) اصفہان (۳) مشہد (۳) کرمان (۳) کرمانشاہ

(۲) کوہی (۲) بوشہر (۱) مشہور ادبی رسائل، آرمغان، بہار، فروغ تربیت، آدانش، ممات وحیات، فردوسی

اور ایرانشہر ہیں، آخری رسالہ برلن سے نکلتا ہے، اور وہان کے مشہور اخبارات کے نام یہ ہیں، ایران، اتحاد

بامداد، روشن، جہانی، اور جہان بین ہین، آخری اخبار نسوانی ترقی کا حامی ہے،

فارس کے اخبارات اسلامی اتحاد اور قومی ترقی کے حامی ہین، اور انھین کی تبلیغ کرتے ہین،

۸- افریقہ

کوہ اٹلس کے ممالک ترکی سے بھی زیادہ سست تھے، تونس مین پہلا اخبار ۱۸۶۰ء مین نکلا اور بعدہ اس شعبے

مین ترقی ہوئی، البستانی اور المعیار یہودی اور عربی اخبار ہین، الزہرا ہی صرف اکیلا روزنامہ ہے جو سلدانی سے

عبدالرحمن کے زیرادارت نکلتا ہے، لیکن جوانون مین اب ترقی کی [illegible] گئی ہے، اور ترکی سے برابر خط و کتابت جاری

رہنے سے تونس مین ایک نوجوانون کی جماعت کا الگ اخبار نکلتا ہے جس کا نام التونس ہے، اس کا فرانسیسی زبان

مین بھی ترجمہ ہوتا ہے، حیدری اللواء، الضحاک، مرشد الائمہ اور الثواب دوسرے اخبارون کی اشاعت بھی چلی جاتی ہے،

طرابلس مین صرف ایک یا دو اخبار نکلتے ہین لیکن یہ بھی گورنمنٹ کے ہین،

الجزائر کی ترقی بھی خاصی ہے، روزنامہ اخبار الجزائر اوران، اور تلمسن سے نکلتے ہین، لیکن ۱۹۲۴ء سے

پہلے اخبارون کی حالت بیحد خراب تھی، ۱۹۰۵ء مین تنجیر سے پہلا اخبار نکلا، عربی کا پہلا اخبار جو فض سے نکلا، وہ ۱۹۲۲ء

مین تھا، اس کی ضخامت صرف چار صفحون کی تھی اور اخبار تلغرف سے موسوم تھا، سہاولی سے ۱۹۲۳ء مین پہلا اخبار

نکلا جس کا نام منبع نو تھا، لیکن اسکی اشاعت (۷۰۰) تھی،

جنوبی افریقہ مین صرف مسلمانون کے دو اخبار ہین جو گجراتی اور انگریزی زبانون مین نکلتے ہین، جنوبی اور

مشرقی افریقہ مین اسکی کافی اشاعت ہوتی ہے، اس کا نام دی انڈین دیوز ہے، مڈگاسکر مین مسلمانون کا ایک بھی

اخبار نہین ہے، جزیرہ مارشس سے مسلمان صرف ایک اخبار فرانسیسی زبان مین نکالتے ہین،

۹- چین

یورپ مین چھاپہ کی ایجاد سے پہلے اہل چین کو اخبار نکالنے کا شوق تھا لیکن مسلمانون کا کوئی اخبار نہین نکلتا تھا، ۱۹۱۸ء مین کل چار اخبار اور میگزین مسلمانون کے ہاتھ مین تھے" اسلامک ریویو" یانان فو (مغربی چین) سے ایک نہایت عمدہ پرچہ نکلتا ہے، مضامین زیادہ تر اسلامی اتحاد اور مسلمانون کی قومی بیداری پر ہوتے ہین، جنھین بہت پرجوش الفاظ مین انھی مقاصد کی تبلیغ کیجاتی ہے، مسلم بین الاقوامی تحریک کا پرچہ لائٹ آف اسلام شنگھائی سے شائع ہوتا ہے جو صرف مذہبی تحریکون کا بانی و مبانی ہے اور مسلم لیڈرون کی تصویرین وقتاً فوقتاً شائع کرتا رہتا ہے،

۱۰- روس

روس مین نجاحیتاری قازان، باکو، اورنبرگ اور لینن گریڈ اخبارون کے خاص مرکز ہین، قازان مین سیکڑون کتابون کی اشاعت ہرسال ہوتی ہے اور ... ۷ مسلمانون کا روحانی، مذہبی، سیاسی اور معاشی مرکز ہے، افا ایک مسلمانون کی مذہبی جماعت کا مرکز ہے اور ان برگ تفلس، اور ٹرانسک اس حیثیت سے قابل ذکر ہین،

"ملت" مسلمانون کا پہلا اخبار تھا جو اسمٰعیل بیگ غسپرنسکی کے زیر ادارت شائع ہوا مسلمانون کو اخبار بینی سے کافی دلچسپی ہوتی جارہی ہے، اور اشاعت بہت زیادہ بڑھ رہی ہے،

کریمیا کا اخبار "ترجمان" جس کی طباعت ... ۵ ہے بہت مشہور و معروف ہے، یہ ۱۸۷۹ء مین پہلی مرتبہ جاری ہوا، دوسرا روسی اخبار "میر اسلام" بہت زورون مین ترقی کر رہا ہے، اس مین توحید، رسول کریمؐ کے فضائل اور خلافت کے متعلق مضمون شائع ہوا کرتے ہین،

کوہ قاف مین مسلمانون کا اخبار باکو سے نکلتا ہے،

۱۱- بلغاریہ

بلغاریہ مین اسلامی اخبار وارنا، راس گراڈ، رزنگ، شملہ، صوفیہ، فلپوپلس، اور برگن سے نکلتے ہین جو زیادہ

ترتر کی زبان میں ہوتے ہیں اور قابل ذکر اجالی، ضیا، ترندشا، اور موازنہ ہیں،

۱۲- یورپ، امریکہ اور اسٹریلیا،

مسلم اخبارون نے مغربی تہذیب مین کافی اثر پیدا کیا ہے اور اسلامک ریویو (احمدیہ) پہلی مرتبہ انگلستان مین شائع ہوا، برلن مین مسلمانون کا دوسرا اخبار الیوا تین زبانون مین شائع ہوتا ہے، زیادہ تر بالشوک تحریک اور وسط ایشیا کی مسلم ریاستون کے سیاسی مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہے ۱۹۲۴ء سے مسلم ریویو دوسرا پرچہ بھی برلن مین بہت ترقی کر رہا ہے، فرانس مین تین مسلم اخبار شائع ہوتے ہین،

برازیل سے چار مسلم اخبار نکلتے ہین، ارجنٹائنا، برٹش گائنا اور ٹرنڈو سے ایک ایک اخبار شائع ہوتا ہے، باشندگان شام مقیم امریکہ کے پانچ اخبار ریاستہاے متحدہ مین چھپتے ہین، اور تین میگزین ہین جو صرف اسلام کے متعلق مضمون شائع کرتے ہین، الہدیٰ بہت مشہور ہے اور کافی خریدار رکھتا ہے، کوکب امریکہ ایک ترکی اخبار بھی سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے،

مسلم سن رائز پہلا اسلامی اخبار ہے جو ریاستہاے متحدہ سے شائع ہوا، یہ بھی احمدی جماعت کا اخبار ہے، اور اسلام، توحید، رسول کریمؐ کے خصائل کے متعلق کافی روشنی ڈالتا ہے، یہ محض مشن کا اخبار ہے اور ہر نمبر مین امریکہ کے نومسلم لوگون کے نام چھاپتا ہے، دی اورینٹ ۱۹۲۵ء سے سید حسن کے زیر ادارت شیکاگو سے نکل رہا ہے، وہ امریکن قوم مین کافی شہرت رکھتا ہے،

اور بعینہ اسی قسم کا ایک دوسرا اخبار مسلم سن شائن پرتھ (اسٹریلیا) سے نکلا کرتا تھا،

انکوزیشن اور اسکی آتش فشانیان[1]

یعنی

کلیسائے رُوما کے محکمۂ احتساب عقائد کی سرگذشت

از جناب محمد عزیز صاحب ایم اے ال بی علیگ رفیق دار المصنفین

پیروان مسیحؑ کا سب سے بڑا اعتراض اسلام پر یہ ہے کہ اُس نے اپنی تبلیغ و اشاعت کے لیے تلوار سے کام لیا، اور غیر مسلمون کے سامنے قرآن اور تلوار کو بیک وقت پیش کر کے جبراً انھین اپنا حلقہ بگوش بنایا، اس دعوے کے ثبوت مین مسلمان امرا و سلاطین کے نام پیش کئے جاتے ہین اور ان کی فتوحات اور ملک گیریان تبلیغ اسلام کا ذریعہ قرار دی جاتی ہین، فضلائے یورپ کا معیارِ تحقیق نہایت بلند سہی لیکن اس ضلالت اندیشی کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے جو اسلام کے متعلق ہمیشہ انھون نے ظاہر کی اور جس پر باوجود اس فضل و کمال کے اب بھی انھین اصرار ہے؟ کسی مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اصول و قوانین کا مطالعہ کیا جائے نہ کہ اس کے متبعین کے افعال و اعمال کا، کسی فرد یا جماعت کی کجروی سے مذہب کی تنقیص نہین ہو سکتی، تاریخ مذاہب کا یہی وہ اہم ترین نکتہ ہے جسے نظر انداز کر دینے سے طرح طرح کی غلط فہمیان پیدا ہو جاتی ہین، بہرحال مسیحؑ کے وہ نام لیوا جنھون نے اسلام کے جور و تعدی کی داستانین تصنیف کر کے تمام دنیا مین پھیلائین، دیکھنا چاہئے کہ خود ان کا طرزِ عمل اپنے مذہب کے بارہ مین کیا تھا اور امن و محبت کے زبانی دعوون کے ساتھ اُن کی آتشفشانیان کس درجہ قیامت خیز اور ہلاکت آفرین تھین، مسیحیت

---

[1] اس مضمون مین حسب ذیل کتابون سے مدد لی گئی ہے:- (۱) گبن تاریخ رومہ (۲) ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۶ - ۷ - ۸ و ۱ (۳) انسائیکلوپیڈیا برٹینکا جلد ۱۴ (۴) تاریخ یہود از ایڈمس (۵) مورس ان اسپین از لین پول،

دنیا کے لیے ایک رحمت بن کر آئی تھی اور اس مین شبہہ نہین کہ ابتدائی تین صدیون مین اس نے صلح و امن اور رافت ورحمت ہی کی مثالین پیش کین، لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب اسے کسی طرح کی قوت حاصل نہ تھی، اور رومہ کی بت پرست سلطنت کا استبداد اوسے سر اٹھانے کا موقع نہ دیتا تھا، چوتھی صدی کی ابتدا مین جب قسطنطین شہنشاہ رومہ نے دین عیسوی کو قبول کیا اور اس کے اثر سے بیشتر ارا کین سلطنت بھی اس دین کے حلقہ بگوش بن گئے، اس وقت سے مسیحیت نے ایک دوسرا قالب بدلا اور جو تلوار اس کے ہاتھ مین آئی تھی اس کو بے دریغ چلانا شروع کیا، بے دینون اور غیر مذہب والون کیساتھ جو مظالم روا رکھے گئے، اُن کی داستان نہایت درد انگیز ہے لیکن یہ اس کا موقع نہین اس مضمون مین صرف انکوئزیشن یعنی محکمۂ احتساب عقائد کی مختصر تاریخ بیان کرنی ہے، اور یہ دکھانا ہے کہ کلیسائے رومہ نے بیگانون کے ساتھ تو جو کیا وہ کیا خود اپنون کے ساتھ اس کا برتاؤ محض اختلاف عقائد کی بنا پر کس قدر جانگداز اور روح فرسا تھا اور کیونکر لاکھون بندگان خدا محض اس جرم مین زندہ جلا دیئے گئے، کہ انھون نے بعض مسائل مین کلیسائے رومہ سے اختلاف کرنے کی جرأت کی اور اپنی ہدایت کے لیے پاپائے رومہ کے فرمان کی بجائے کتاب مقدس اور ارشاد مسیح کو کافی سمجھا، تاریخ تعدی کے صفحات مین ہولناکیون اور خونفشانیون کی متعدد مثالین ملینگی جن کے تخیل سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین، لیکن یہ تمام مثالین انفرادی حیثیت رکھتی ہین، کہ ان کے مرتکب اشخاص و افراد تھے، یہ امتیاز صرف انکوئزیشن کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس نے جو کچھ کیا وہ کسی بادشاہ یا امیر کے جوش مذہب کا نتیجہ نہ تھا بلکہ تمامتر اس نظام کے ماتحت تھا جسے کلیسائے رومہ نے اپنی قدوسیت کے استحکام کی غرض سے قائم کیا تھا، ایک اور خصوصیت جو اسے تمام دوسری تعدیون سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ اس کی تمام کارگذاریان باضابطہ عدالتون کے ذریعہ عمل مین آئین اور اسطرح ظلم و ہلاکت کی انتہائی مثالون پر عدل و انصاف کی چادر ڈال کر ان کی ہولناکیون کو دوبالا کر دیا گیا،

انکوئزیشن (Inquisition) اس محکمہ کا نام ہے جسے کلیسائے رومہ نے احتساب عقائد کی غرض سے قائم کیا تھا، اس کا فرض تھا کہ عیسائیون کے عقائد کی جانچ کرے اور ان مین سے جن کے عقائد کلیسا کے

متفقہ عقائد سے مختلف ہون اُن کو سزا دے، یہ صحیح ہے کہ اس محکمہ کا باضابطہ قیام تیرہوین صدی مین عمل مین آیا، لیکن اصولی حیثیت سے اسکی ابتدا ظہور مسیحیت کے ساتھ ہی ساتھ ہوئی، چنانچہ ایمان نہ لانے والون کی سزا کا فتویٰ خود حضرت مسیح نے ان الفاظ مین صادر فرمایا تھا، "جو کوئی ایمان لاتا اور بپتسمایاتا ہے، نجات پائیگا، پر جو ایمان نہین لاتا اس پر سزا کا فتویٰ ہوگا" (مرقس۔ باب ۱۶۔ آیت ۱۶)۔ اسی طرح پولوس نے جو پہلا خط تمطاؤس کو لکھا تھا، اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عقائد کا اختلاف اس وقت بھی سزا کا مستوجب تھا، اور اسی بنا پر پولوس نے ہمناؤس اور سکندر کو ان کے "کفر" کی پاداش مین "شیطان کے حوالے کر دیا"۔ پولوس لکھتا ہے، "اے بیٹے تمطاؤس مین تجھے ان پیشین گوئیون کے موافق جو آگے تیری بابت کیگئین یہ حکم دیتا ہون کہ تو ان مین اچھی لڑائی لڑے اور ایمان اور نیک نیتی پر قائم رہے، جسے بعضون نے چھوڑ کے ایمان کی ناؤ توڑی، انھین مین سے ہمناؤس اور سکندر ہین جنھین مین نے شیطان کے حوالے کیا تاکہ تنبیہ پا کے کفر نہ بکین" توراۃ نے ارتداد و ارباب پرستی کی سزا قتل قرار دی تھی، اور اس باب مین اس درجہ تشدد برتا کہ مجرم کی گردن مارنے کے لیے سب سے پہلے اس کے اعزہ و احباب ہی کی تلوار کو منتخب کیا، "اگر تیرا بھائی جو تیری مان کا بیٹا ہے یا تیرا ہی بیٹا یا بیٹی یا تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے تیری جان کے برابر عزیز ہو تجھے پوشیدہ مین پھسلائے اور کہے کہ آؤ غیر معبودون کی بندگی کرین جن سے تو اور تیرے باپ دادا واقف نہین تھے .... تو تو اس سے موافق نہ ہونا اور نہ اس کی بات سننا، تو اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا، تو اسکی رعایت نہ کرنا بلکہ تو اس کو ضرور قتل کرنا، اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ پڑے اور بعد اس کے سب قوم کے ہاتھ"۔ (استثنا۔ باب ۱۳۔ آیت ۶۔۱۰) اسی طرح استثنا کے سترھوین باب مین اس مرد یا عورت کو سنگسار کرنے کا حکم ہے جس نے معبود حقیقی کی پرستش چھوڑ کر سورج، چاند، ستارون کو اپنا معبود بنایا ہو، پولوس کے زمانہ مین اس قسم کے احکام کا صادر کرنا بالکل بے معنی تھا، اس لیے کہ مسیحیت اپنے ابتدائی دور مین زور و طاقت سے خالی تھی، اور احکام قتل کی تعمیل کے لیے اس کے ہاتھ مین کوئی حربہ نہ تھا، البتہ کسی مجرم کو کلیسا سے خارج کر دینا یعنی اس کو برکات آسمانی اور مراحم خداوندی سے محروم کر دینا اسوقت

بھی اس کے اختیار مین تھا اور اس اختیار کو وہ آزادی سے استعمال کرتی تھی، پوپ سوس کا ہمناؤس اور سکندر کو شیطان کے حوالے کردینا اسی اختیار کی بنا پر تھا،

چوتھی صدی کی ابتدا تک جیسا کہ کہا جا چکا ہے، مسیحیت کو کسی قسم کی قوت حاصل نہ تھی اس لیے اس کے دور آغاز مین تشدد و تعدی کی تلاش بے سود ہے، اس دور کے تمام مشاہیر علمائے کلیسا نے مذہبی تعدی سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا ہے، وہ خوب جانتے تھے کہ دین کو قبول عام صرف رفق و ملاطفت ہی سے حاصل ہوسکتا ہے، وہ حضرت مسیح کے زمانہ سے قریب تر تھے، اور دولت و حکومت کے نشہ سے ہنوز ناآشنا تھے، لیکن قسطنطین کے قبولِ مسیحیت کے بعد ہی حالت بالکل بدل گئی، اور عیسائیون کو اب تک جتنے مظالم بیدینون کے ہاتھون برداشت کرنا پڑے تھے ان کا پورا بدلا انھون نے لیا، قسطنطین نے ۳۱۳ء مین فرمان ملان نافذ کیا، اور تمام سلطنت مین رواداری کا اعلان کیا، لیکن عملاً غیر مسیحیون کے ساتھ تشدد و ظلم کا برتاؤ ہوتا تھا، سب سے پہلے یہود اس زد مین آئے، قسطنطین نے کوشش کی تھی کہ یہود دین عیسوی قبول کرلین، اس غرض سے اُسنے علمائے یہود و نصاریٰ کے درمیان مباحثے بھی کرائے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا اور اسے قطعی مایوسی ہوئی، چنانچہ اسی مایوسی سے متاثر ہوکر اُس نے یہود کے خلاف نہایت سخت قوانین نافذ کئے، مثلاً اگر کوئی یہودی کسی عیسائی کی جان کو خطرے مین ڈالے تو وہ زندہ جلا دیا جائے، یہود اگر غیر مذہب والون کو اپنے حلقہ دین مین لائین تو ان کو شدید ترین سزائین دیجائین، کسی یہودی کو عیسائی غلام رکھنے کی اجازت نہ تھی، یہ سلوک تو ان کے ساتھ تھا جو عیسائی نہ تھے، لیکن اس سے زیادہ سختی کا برتاؤ ان لوگون کے ساتھ کیا جاتا تھا جو عیسائی تھے مگر عقائد مین کسی قدر اختلاف رکھتے تھے، ان کو سخت سے سخت سزائین دیجاتی تھین، محکمۂ احتساب عقائد ابھی اس نام سے قائم نہ ہوا تھا، لیکن ان تمام تعدیون مین وہی روح کارفرما تھی، قسطنطین نے فرقۂ دوناتسی (Donatism) کے لوگون کی جائدادین ضبط کرکے انھین جلاوطن کردیا، یہ فرقہ مذہباً مسیحی تھا لیکن بعض جزئیات مین شہنشاہ کے عقائد سے اختلاف رکھتا تھا، اسی طرح ایریس (جو عیسائیون مین ایک مشہور فرقہ

کا بانی ہے، کو اُس نے کافر قرار دیا اور یہان تک حکم دیدیا کہ جس شخص کو اس کافر کی کوئی کتاب ملے وہ اُسے جلا ڈالے اور اگر نہ جلائے تو اس کی گردن ماردیجائے،

قسطنطین کے بعد اس کے جانشینون نے بھی اختلافِ عقائد کو جرم قرار دیکر تعزیری قوانین نافذ کیے، تھیوڈوسیس اوّل (Theodosius I) نے اس معاملہ مین نہایت تشدد برتا اور پندرہ ۱۵ سال کی مدت مین (۳۸۰ء تا ۳۹۴ء) ایسے پندرہ ۱۵ فرامین جاری کیے جنمین مخالف عقیدہ رکھنے والون کے لیے سخت سزائین قائم کین، مبتدعین (Heretics) نہ صرف کلیسا سے خارج کردیے گئے بلکہ بعض صورتون مین اُن کی جائدادین بھی ضبط کرلی گئین، اور ان کو جلاوطن کردیا گیا، اُن کے تمام گرجا اُن سے لے لیے گئے اور شہرون کے اندر اُن کے جلسے ممنوع قرار دیے گئے، جن مکانون مین یہ جلسے ہوتے تھے وہ ضبط کرلیے جاتے تھے، ان کو وصیت کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ وہ وراثت کے مستحق سمجھے جاتے تھے، جو جائدادین اُن کو اپنے والدین سے ترکہ مین پہنچتی تھین وہ حکومت کے قبضہ مین آجاتی تھین، البتہ اگر وارث بچہ ہوتا اور وہ شہنشاہ کے مذہب کو قبول کرلیتا تو اس کو ترکہ دیدیا جاتا، غرض مبتدعین کے خلاف بیشتر ایسے ہی سخت قوانین جاری کیے گئے، اور تھیوڈوسیس نے اُن کی بیخکنی مین پوری سرگرمی دکھائی، مزید تفصیل گبن کے صفحات سے معلوم ہوسکتی ہے، بعض فرقون کو اس نے موت کی سزائین بھی دین، سب سے پہلے اسی نے محتسب عقائد (Inquisitors) مقرر کیے جن کا کام یہ تھا کہ لوگون کے عقائد کی جانچ کرین اور شہنشاہ کو اختلاف رکھنے والون کا پتہ دین، محتسب عقائد کے نام کا پتہ اوّل اوّل تھیوڈوسیس کے عہد مین ملتا ہے، لیکن خود احتساب عقائد کا عمل اس سے قبل ہی جاری تھا، قسطنطین نے بھی جو پہلا مسیحی شہنشاہ تھا ایرئیس، اور دوسرے مبتدعین کے خلاف اسی قسم کی تفتیش جاری کی تھی،

لیکن باوجود اس کے کہ حکومت کی طرف سے اتنی سختی کا برتاؤ ہو رہا تھا خود کلیسا زیادہ تشدد کا طرفدار نہ تھا، اور علاوہ دو ایک کے اس کے اور تمام ذمہ دار اشخاص سزاے موت کے مخالف تھے، چنانچہ ۳۸۵ء مین جب اسپینی مبتدع پرسیلین (Priscillian) شہنشاہ میکسمس (Maximus) کے حکم سے قتل کیا گیا

تو کلیسا مین اس واقعہ پر سخت مباحثہ ہوا، اور سینٹ مارٹن، سینٹ ایمبروز، اور سینٹ لیو نے ان اسپینی اسقفون کی نہایت شدید ملامت کی جنکی تحریک سے قتل ہوا تھا، سینٹ آگسٹائن کے نزدیک بدعت کی سزا مین درّے لگانا، جرمانہ کرنا، اور جلاوطن کردینا کافی تھا اور سینٹ جان کرائسوسٹم (Chrysostom) کی راے تھی کہ مبتدعین کی تقریرین اور اُن کے جلسے ممنوع قرار دیدیے جائین، قتل کی نسبت اس کا خیال تھا کہ "یہ ایک ایسے جرم کو دنیا مین رواج دینا ہے جس کا کوئی کفارہ نہین"، چنانچہ کلیسا کی اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ چھٹی صدی سے لیکر نوین صدی تک مذہبی تعدی کی مثالین بہت کم ملتی ہین،

لیکن دسوین صدی مین فرقہ کتھاری (Cathari) نے سر اٹھایا اور اس کا اثر فرانس اور گرد و پیش کے ممالک مین تیزی سے پھیلنے لگا، اس فرقہ کو ان ممالک مین زیادہ کامیابی ہوئی جہان تعلیم اور تہذیب و تمدن کیساتھ ارباب کلیسا کی حرص و طمع کے خلاف بیزاری روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی، یہ کیفیت جنوبی فرانس اور شمالی اٹلی مین بہت نمایان تھی، چنانچہ مجلس کلیسا نے اُن کے خلاف جو فرمان نافذ کیا اسکی تعمیل محض اس وجہ سے نہ ہوسکی کہ اس حصۂ ملک کے تقریبًا تمام امرا، (Barons) نے اُن کی پشت پناہی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تعداد بہت بڑھ گئی، لیکن اُن کا یہ اثر اور زور تمام ملک مین نہ تھا، شاہ فرانس کلیساے رومہ کا متبع تھا، اور کتھاری کے عقائد کا سخت دشمن تھا، چنانچہ اس فرقہ کے تیرہ آدمی ۱۰۲۲ء مین اس کے حکم سے زندہ جلا دیے گئے، قرون وسطی مین سزائے موت کی یہ پہلی مثال تھی جو اختلاف عقائد کی پاداش مین ایک والیِ حکومت نے قائم کی، اس کے بعد فرانس، اٹلی، سلطنت رومہ، اور انگلستان مین مبتدعین کو بارہا موت کی سزائین دی گئین، کبھی وہ پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے، اور کبھی زندہ جلا دیئے جاتے تھے، لیکن صحیح طور پر یہ نہین کہا جا سکتا کہ تقریبًا ۱۲۰۰ء تک خود کلیسا کو اس امر مین کہان تک دخل تھا، اسمین شبہہ نہین کہ جہان تک عقائد کی جانچ کا تعلق ہے یہ کام ارباب کلیسا ہی نے انجام دیا ہوگا، رہا سزا کا معاملہ تو ممکن ہے کہ انھون نے براہ راست اسکی تحریک نہ کی ہو بلکہ حکومت نے بطور خود اس معاملہ کو اپنے ہاتھ مین لے لیا ہو اور ملک نے حکومت کا ساتھ دیا ہو، چنانچہ ۱۰۲۲ء مین فرقہ کتھاری

کے تیرہ ۱۳ آدمی جو زندہ جلا دیئے گئے ان کی موت کی ذمہ داری کلیسا کے سر نہین ہے بلکہ شاہی فرمان کی تعمیل خود ملک والون نے کی، اسی طرح بارہوین صدی کے آخر تک مبتدعین کو قتل و آتش کی جو سزائین دی گئین وہ بیشتر حکومت کے ذمہ دار اشخاص اور عوام کے جوشِ مذہب کا نتیجہ تھین، تاہم اس زمانہ مین بھی بعض مثالین ایسی ملتی ہین جنہین یہ سزائین کلیسا کے حکم سے دی گئین، چنانچہ ۱۱۶۷ء مین جو لوگ بمقام ویزیلے (Vezelay) زندہ جلا دیئے گئے انکی سزا کا حکم وہان کے رئیس رہبان اور متعدد اسقفون ہی نے نافذ کیا تھا، ۱۱۸۳ء سے ۱۲۰۶ء تک اکزیر (Auxerre) کے اسقف ہیو نے مبتدعین کو جلا وطن کرنے، ان کی جائدادین ضبط کر لینے، اور ان کو جلا دینے کے اختیارات بالکل اپنے ہاتھ مین رکھے تھے، اسی طرح رائمس (Reims) کے اسقف اعظم ولیم نے بھی فلپ کاونٹ فلینڈرس کی مدد سے بدعت و زندقہ کا استیصال اپنے ضلع سے بزور آتش کیا،

بارہوین صدی مین اہل کلیسا کی حرص و طمع اور ان کی ظاہر داری و ریاکاری کا احساس عام طور پر لوگون مین پیدا ہو گیا تھا، کتاب مقدس اور علوم مذہبی کا اجارہ پادریون نے اپنے ہاتھ مین لے لیا تھا، اور اس کے تحفظ مین وہ اس سختی سے محتاط تھے کہ کسی شخص کو بغیر ان کی اجازت اور توسط کے انجیل کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کرنے کا حق حاصل نہ تھا، یہ صورت حال ایسی تھی کہ اس کی اصلاح کے لیے اکثر دلون مین بےچینی کے آثار پائے جاتے تھے چنانچہ ۱۱۷۰ء مین جب پیٹر والڈو (PETER WALDO) نے اصلاح کا علم ہاتھ مین لیکر قدم اٹھایا تو بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہو گئے، والڈو انجیل کی تبلیغ حواریین مسیح کے طریقہ پر کرتا تھا، اس کا مقصد تھا کہ دین کو اپنی اصلی حالت مین پیش کیا جائے، اس گروہ کو جو تاریخ مین والڈنسز (Waldenses) کے نام سے مشہور ہے ابتدا مین کلیسائے رومہ سے علحدہ ہو جانے کا مطلق خیال نہ تھا، وہ محض دین کو تمام آلائشون سے پاک کر کے اس کی اصلی صورت مین پیش کرنا چاہتے تھے، چنانچہ جب لیون (Lyons) کے اسقف اعظم نے ان کو تبلیغ سے منع کیا تو بجائے اس کے کہ خودسری اور سرکشی کا اظہار کرتے انھون نے ۱۱۷۹ء مین پوپ سکندر ثالث کی خدمت مین اجازت حاصل کرنے کے لیے درخواست پیش کی، لیکن جب ۱۱۸۴ء مین پوپ لوسیس ثالث

نے ان کو کلیسا سے خارج کر دیا، تو انھون نے بھی اس سے علحدگی اختیار کر لی، اس فرقہ کا اثر ان ممالک مین زیادہ پھیلا جہان
کے باشندے کلیسائے رومہ کے پادریون سے پیشتر ہی سے بیزار تھے، مثلاً جنوبی فرانس اور شمالی اٹلی، پیروان والڈو
کی کامیابی کا اصلی سبب یہ تھا کہ انھون نے انجیل کے مطالعہ اور اس پر غور و فکر کی اجازت عام کر دی تھی، لیکن یہ حالت
زیادہ دنون تک قائم نہ رہ سکی، پوپ انوسنٹ ثالث نے زمام حکومت ہاتھ مین لینے کے ساتھ ہی ۱۱۹۸ء مین اپنے
سفرا کو استیصال بدعت کے غیر محدود اختیارات دیکر ان ملکون مین روانہ کیا، ان سفراء نے پہنچکر پہلے مختلف فیہ مسائل
پر مباحثے کیے لیکن جب اس طریقہ سے انھین اپنے مقصد مین کامیابی نہ ہوئی تو پھر ظلم و تعدی کے وہ تمام وسائل
اختیار کیے جن سے مسلح کر کے انھین بھیجا گیا تھا،

جنوبی فرانس مین جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کلیسائے رومہ کے خلاف مختلف فرقے یکے بعد دیگرے
اٹھتے رہتے تھے اور ان مین سے ہر ایک کو کسی نہ کسی حد تک کامیابی حاصل ہوتی تھی، چنانچہ تیرھوین صدی کے شروع
مین بھی البیجنسز ([illegible]) نے سر اٹھایا اور اس عام بیزاری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جو پادریون
کے تشدد اور سخت گیری کی وجہ سے لوگون مین پائی جاتی تھی، لیکن کلیسائے رومہ کو اپنی قوت پر اعتماد تھا اور
اس نے اس فرقہ کے خلاف ایک مذہبی جنگ کا اعلان کر کے اپنے سفیر ارنالڈ کو اس مہم پر مامور کیا، ارنالڈ
نے وہ سب کچھ کیا جس کی اس سے توقع تھی، اس نے استیصال بدعت مین قتل و غارتگری کی ایک ایسی مثال
قائم کی جو کلیسا کی آیندہ تعدیون کے لیے اپنے اندر ایک سند جواز رکھتی ہے، اس کے طریق عمل نے نہ صرف ایک
خاص فرقہ کا استیصال کیا بلکہ اس بات کو ثابت کر کے دکھا دیا کہ کلیسا کی کامیابی صرف اسی صورت مین ممکن
ہے، کہ تیغ و آتش کا استعمال نہایت آزادی سے کیا جائے، چنانچہ ۱۲۲۹ء مین ٹولوز کی کونسل نے احتساب عقائد
و تعزیر بدعت کا ایک محکمہ قائم کیا جو بعد مین اپنے نظام اور دستور العمل کے ساتھ انکویزیشن کی شکل مین نمودار ہوا،
اس باب مین پرجوش فرمانروایان ملک نے بھی بہت سرگرمی دکھائی خصوصاً شہنشاہ فرڈرک ثانی نے پوپ
ہونوریس ثالث اور گریگوری تاسع کی مدد سے اپنی سلطنت مین قتل، جلاوطنی، اور ضبط جائداد کی سزائین بدعت تہا

واضح طور پر متعین کین، ان سزاؤن کا اثر بہت جلد ظاہر ہونے لگا، اسقفون نے پورے جوش کے ساتھ حکومت کی مدد کی اور اختلاف عقائد کی وہ رو جو برابر بڑھ رہی تھی اب نمایان طور پر رُکنے لگی۔ بلکہ کریوپ گریگوری نے مزید تاخیر و تامل کو نامناسب خیال کیا اور انکوئزیشن یعنی محکمۂ احتساب عقائد کا باضابطہ نفاذ کرکے ڈومنکن (Dominican) فرقہ کے راہبون کو جو اپنی سختی اور تشدد کی وجہ سے دوسرون مین ممتاز تھے نہایت وسیع اختیارات دیکر استیصال بدعت کی خدمت پر روانہ کیا،

کلیسا کے محتسب روانہ ہوے اور جبر و تعدی کی گرم بازاری شروع ہوئی، ابتدا مین یہ طریقہ تھا کہ کسی قصبہ مین پہنچکر یہ لوگ وہان کے باشندون کو جمع کرتے اور مبتدعین سے اعتراف گناہ کے لیے کہتے، اگر وہ اعتراف کرتے تو سزائے موت سے بری کردیئے جاتے۔ اس کے بعد ان لوگون کی تحقیق و تفتیش ہوتی جنکے متعلق خیال تھا کہ کلیسا کے عقائد سے مخفی طور پر اختلاف رکھتے ہین، یہ گرفتار کرکے انکوئزیشن کی عدالت کے سامنے پیش کئے جاتے، وہان ان کے مقدمات کی سماعت ہوتی اور عدل و انصاف کے پردہ مین ایسی ہولناک کارروائیان عمل مین لائی جاتین جنکی نظیر سے تاریخ تعدی کے صفحات خالی ہین، اس طرح ایک قصبہ سے استیصال بدعت کرکے محتسبین عقائد دوسرے قصبہ مین پہنچے اور وہان سے فارغ ہوکر تیسرے مین، شروع مین یہی طرز عمل تھا لیکن جب ابتدائی ضربون کے بعد دست قاتل مین قوت پیدا ہوگئی اور تشنگان خون کی پیاس بھی چند گھونٹون سے اور زیادہ تیز ہوگئی تو انکوئزیشن کی عدالتین ہر ہر ضلع مین قائم کردی گئین، اور پھر صدیون تک تمام یورپ کلیسائے رومہ کی آتشفشانیون کی نذر ہوتا رہا،

وان لیمبرگ (Van Limborch) نے صراحت کیساتھ اس محکمہ کی کارروائیون کو بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ جسوقت کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہوجاتا کہ اس نے قوانین کلیسا کی خلاف ورزی کی ہے یعنی اس کے متفقہ عقائد سے اختلاف رکھتا ہے اسی وقت اُسے طلب کیا جاتا، اگر پہلی طلبی کے بعد ہی وہ حاضر ہوجاتا تو اُس کے حق مین بہتر ہوتا کیونکہ تاخیر سے اس کے جرم کا شبہہ زیادہ قوی ہوجاتا، بہرحال عدم حاضری

کی صورت مین وہ دوبارہ اور سہ بارہ طلب کیا جاتا اور بالآخر انکوئزیشن کے سیکڑون مخفی وسائل اُسے گرفتار کر کے
لے ہی آتے، عدالت کا خوف لوگون پر اس درجہ مستولی تھا کہ کسی شخص کو اس مفروضہ مجرم کی نسبت کچھ دریافت
کرنے کی جرأت نہ ہوتی، نہ کوئی اُسے خط لکھ سکتا تھا اور نہ اسکی سفارش کرسکتا تھا، اس کا تمام مال و اسباب ضبط
کرلیا جاتا، اور پھر عدالتی کارروائی شروع ہوتی جسکا سلسلہ ایک مدت دراز تک قائم رہتا،

ایک تنگ و تاریک قیدخانہ مین بہت دنون تک پڑے رہنے کے بعد ملزم عدالت انکوئزیشن کے
سامنے پیش کیا جاتا، حکامِ عدالت اس بدنصیب سے قطعی لاعلمی ظاہر فرماتے اور اس سے پوچھتے کہ تم کون ہو
اور کیا چاہتے ہو، اگر وہ اپنے جرم سے آگاہ ہونے کی خواہش کرتا تو اس کے جواب مین خود اُسے اعترافِ گناہ
کا مشورہ دیا جاتا، اگر وہ کسی بدعقیدگی کا اعتراف نہ کرتا تو اُسے دوبارہ غور کرنے کا موقع دیا جاتا اور قیدخانہ مین واپس بھیج
دیا جاتا، عرصہ کے بعد وہ پھر عدالت کے سامنے حاضر کیا جاتا اور پھر اسے اعترافِ گناہ کا حکم ہوتا، اگر وہ اب بھی اپنی ضد پر قائم رہتا تو
اس سے اس بات کی قسم کھانے کو کہا جاتا کہ وہ تمام سوالات کا جواب سچائی سے دیگا، اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرتا تو
کارروائی وہین ختم کردیجاتی اور اسکی سزا کا حکم سنا دیا جاتا، اگر قسم کھالیتا تو اس سے اسکی تمام زندگی کے متعلق سوالات کیے
جاتے لیکن اب بھی اُسے ان مفروضہ جرائم سے مطلع نہ کیا جاتا، اعترافِ جرائم کی صورت مین اس سے معافی کا وعدہ کیا
جاتا مگر یہ بھی ایک چال تھی جس کے ذریعہ حکامِ عدالت اس کے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے،

ان تمام مراحل کے بعد الزامات کی ایک نقل تحریری شکل مین اس کے ہاتھ مین دے دیجاتی اور ایک وکیل
بھی اُسکی طرف سے پیروی کرنے کے لیے متعین کردیا جاتا، وکیل صاحب بجاے اس کے کہ ملزم کی بریت کی کوشش
کرتے الٹا اسے اقرارِ جرم کی ترغیب دیتے، سب سے بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ الزام لگانے والون کا نام اسے نہ بتایا جاتا،
اور نہ ان سے جرح کرنے کا اسے موقع دیا جاتا، مقدمہ کی پہلی پیشی مین اس سے صرف یہ دریافت کرلیا جاتا کہ کون
کون لوگ اس کے دشمن ہین اور اُن کی دشمنی کے اسباب کیا ہین، لیکن ان لوگون کو طلب کرنے یا اُن سے کسی قسم
کے سوالات کرنے کی ملزم کو اجازت نہ تھی، مبتدعین یا ان لوگون کی شہادتین جو تمام ملکی حقوق سے محروم کردیے جاتے

تھے، عام طور پر عدالتون مین لائق سماعت نہ تھین، مگر عدالت انکوئزیشن کے ملزم کے خلاف یہ تمام مردود شہادتین مقبول ہوجاتین، عورتین، بچے اور غلام ملزم کے خلاف شہادت دینے کے مجاز تھے لیکن اُسکی مدافعت مین انکی شہادتین مسموع نہ ہوتین، حد یہ ہے کہ دس سال کے بچون کی شہادتین بھی قبول کیجاتی تھین، اگر کوئی گواہ جس نے ملزم کے خلاف بیان دیا ہے اپنی شہادت سے عود کرتا تو اُسے جھوٹی شہادت کے جرم مین سزا ملتی لیکن خود اس کی شہادت باوجود جھوٹی تسلیم کئے جانے کے اپنی جگہ پر قائم رہتی اور مقدمہ کے فیصلہ مین پوری طرح مؤثر ہوتی، کوئی شخص شہادت دینے سے انکار نہ کرسکتا تھا کیونکہ انکار کرنے والا خود مجرم قرار دیا جاتا، (ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برٹینکا انکوئزیشن)

ملزم کو جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے، قسم کھانی پڑتی کہ وہ تمام سوالات کا جواب سچ سچ دیگا، اور کوئی بات چھپا نہ رکھیگا، لیکن اگر اُس کے جوابات تشفی بخش نہ ہوتے یعنی اُن سے اُسکا جرم ثابت نہ ہوتا یا جو الزامات اس کے خلاف عاید کئے گئے تھے ان کا ثبوت کافی طور پر بہم نہ پہنچ سکتا تو یہ نہ ہوتا، جیسا کہ انصافاً ہونا چاہئے تھا، کہ اُسے بے قصور قرار دے کر رہا کردیا جاتا بلکہ عدالت انکوئزیشن اپنے مفید مطلب بیان حاصل کرنے کی غرض سے اُسے شکنجہ مین کسنے کا حکم صادر کرتی، شکنجہ کی سزا تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دیجاتی اور اس وقت تک قائم رکھی جاتی جب تک طبیب انکوئزیشن کی راے مین ملزم اسے برداشت کرسکتا، بالآخر اس جانکنی سے تنگ آکر اُسے وہی کہنا پڑتا جو عدالت کہلانا چاہتی تھی، لیکن اقرار جرم کے بعد بھی شکنجہ کی عقوبتین قائم رکھی جاتین یہانتک کہ آخر اسے اپنے تمام شرکار کے نام اور پتے بھی بتانا پڑتے، اقرار جرم کے یہ معنی نہ تھے کہ ملزم نے دراصل اس کا ارتکاب بھی کیا ہے، شکنجہ کی اذیتین اس درجہ روح فرسا ہوتین کہ وہ موت کو ترجیح دیتا اور اس سے رہائی پانے کی خاطر مفروضہ جرائم کا اقرار کرلیتا، باایں ہمہ بعض سخت جان ایسے بھی تھے جو اعترافِ گناہ نہ کرتے اور آخر وقت تک اپنی ضد پر قائم رہتے، اور یہی لوگ مبتدع اور زندیق قرار پاتے،

مجرمین کی تین قسمین تھین، (۱) وہ جو اعتراف گناہ کرکے توبہ کرلیتے، (۲) وہ جو اعتراف گناہ نہ کرتے اور اس لیے زندیق سمجھے جاتے، (۳) وہ جو اعتراف اور توبہ کے بعد پھر بدعت و زندقہ اختیار کرلیتے، ممکن ہے

گر توبہ کرنے والون کی نسبت یہ خیال ہو کہ وہ سزا سے بری کر دیئے جاتے تھے، لیکن ایسا نہ تھا، کلیسا کے نزدیک عفو بحض کی کوئی حقیقت نہین تھی، تائبین کو بھی پچھلے گناہون کی پاداش مین کچھ نہ کچھ سزا بھگتنا پڑتی تھی، انکی سزائین گناہون کی اہمیت کے بحاظ سے مختلف درجون کی ہوتی تھین، مثلاً نفس کشی وریاضت، روزے، نمازین، مقامات مقدسہ کی زیارت وغیرہ وغیرہ، درّے بھی لگائے جاتے اور ان کے لباسون مین سینہ اور پشت پر زرد کپڑے کی صلیبین ٹانک دیجاتی تھین جو انکی سابقہ گمراہیون کی یاد ہمیشہ تازہ رکھتی تھین، قید کی سزائین بھی دیجاتی تھین اور انکی مختلف مدتین ہوتی تھین، بعض لوگ تمام عمر قید مین رکھے جاتے تھے، یہ برتاؤ اُن گنہگارون کیساتھ تھا جو اپنی تمام بدعقیدگیون سے تائب ہو چکے تھے، باقی وہ جو اپنے خلاف الزامات کو تسلیم نہ کرتے اور انتہائی اذیتون اور عقوبتون کے بعد بھی اعترافِ گناہ نہ کرتے یا وہ جو بعد توبہ کے پھر گمراہ ہو جاتے انھین عدالت انکوزیشن کی طرف سے سزاے موت کا حکم سنایا جاتا اور وہ حکومت کے سپرد کر دیئے جاتے جس پر احکام کلیسا کی تعمیل واجب تھی، چونکہ کلیسا کے نزدیک خونریزی کسی حالت مین بھی روا نہ تھی اس لیے بدعت وزندقہ جیسے شدید جرم کی صورت مین بھی اس سے اجتناب کیا جاتا اور مجرم کو بجائے قتل کرنے کے زندہ آگ مین جلا دیا جاتا کہ انسانی خون کا کوئی قطرہ کلیسا کے ہاتھ سے زمین پر نہ گرنے پائے،

یہان تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ قرون وسطی کے انکوزیشن اور اسکی کارروائیون کا ایک نہایت مختصر سا خاکہ ہے، اگرچہ اس محکمہ کا باضابطہ نظام تیرہوین صدی مین قائم ہو گیا تھا اور تمام مسیحی یورپ مین اس نظام پر عمل جاری تھا تاہم جو آتش فشانیان تاریخ کے صفحون مین ہمیشہ روشن رہینگی ان کا ظہور پندرہوین اور سولھوین صدی مین ہوا اور استیصال بدعت کی یہ آتشین سعادت سب سے زیادہ اسپین کے حصہ مین آئی، چونکہ یہ دردانگیز داستان زیادہ طویل ہے اس لیے ہم اسے مضمون کے دوسرے حصہ کے لیے اٹھا رکھتے ہین، اسی حصہ مین یہ بھی بیان کیا جائے گا کہ محکمۂ احتساب عقائد نے یورپ کے اور ملکون مین کیا کارگذاریان دکھائین اور اپنے مقاصد مین کہانتک کامیاب رہا،

(باقی)

صہبائے دانش

از

جناب مولوی ابوالقاسم صاحب سرور،

(بسلسلۂ گذشتہ)

جمالیات نفسیات کا دوسرا شعبہ جمالیات حسیات کی آبادی سے معمور ہے، جو جمیل اور حسین لائق تحسین یا اس کے خلاف مکروہ و قبیح سے پیداشدہ حسیات کی ایک وسیع بسما ہی، انسان حواسون مین سے مخصوص طور پر سماعت و بصارت ان دونون مین اس قسم کے ریشے ودیعت ہین جن کے سہارے ملاحظۂ اشیا، یا سماعت آواز سے احساس مسرت رونما ہوا کرتا ہے، مظاہرِ فطرت کی بوقلمونی، ان کی عظمت و جبروت یا کسی خوشنما تصویر یا کسی خوبصورت بت کا معائنہ یا کسی نظم کا پڑھنا، یا سننا، ان سے خوشگوار احساس کی روئید گی شروع ہوتی ہے، اور انسانی دل

سلہ فلسفۂ کی خشکی کی تلافی کے لئے فلسفۂ جمالیات کے اہم مسائل کو نظم کے سانچہ مین ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے، عجب نہین کہ یہ طریقہ ناظرین کرام کے لئے دلچسپی کا باعث ہو،

حسن کا لفظِ سہ حرفی آج ہے موضوعِ بحث ... اس کے ہر اک حرف کو تنقید سے ہے دیکھنا

علمِ حسیات و وجدانات و جذباتِ بشر، ... پورا سرمایہ ہے یہ فنِ جمالیات کا

کس طرح ہوتا ہے احساسِ جمالی کا ظہور ... کون سی شے ہے جو ہو حسنِ مجسم برملا

کیا سبب اس کا کہ اک شی ایک کرتا ہی پسند ... دوسرا کرتا ہے نفرت وہ بھی کیسی ناروا

کون سے اشیا، کہ ہین ایسے نمایان خط و خال ... جس سے ہو جاتے ہین وہ اشیا، نہایت خوشنما

سے مسرت کی موج اٹھتی ہے، زبان کلماتِ ستایش ادا کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور اس شئے جمیل کی دلکشی اور خوبصورتی کے متعلق بے اختیار منہ سے تعجب اور حیرت کے الفاظ نکلتے ہیں، یا ایسی حالت میں انسان ایسا خود رفتہ اور کھویا جاتا ہے کہ اظہارِ احساسات کے واسطے اسے لفظ تک ہاتھ نہیں آتے، شئے جمیل پر اپنا قبضہ ہو یا نہ ہو ہر حالت میں انسان کا اس سے حظ اندوز ہونا ضروری ہے، اور تحسین و ستایش کی نچھاور کیے بغیر خاموش بیٹھے رہنا ممکن نہیں تواتر نظارہ لذت ملاحظہ میں اضافہ کرتا رہتا ہے جس طرح خوشگوار احساس پیدا کرنے والی شئے کو جمیل کہتے ہیں اُسی طرح نفرت و الم کے احساسات ظاہر کرنے والی شئے بدشکل اور قبیح کہلاتی ہے، اسی کی نسبت نطشے کہتا ہے کہ مکرہ

سحر ایسا کونسا پوشیدہ ہے آواز میں ، | جس سے ہو جاتی ہے جذبِ سامعہ دلکش صدا
جتنا اشیائے جمیلہ کا چھپا ہے سب کا سب | اشتراک آپس میں اس کے ہوتا ہے کیا ایک سا
اس طرح کے اور جتنے بھی کیے جائیں سوال | ان سبھوں کا ہے جمالیات سے رشتہ جڑا
ایسے استفسار دن پر رد و قدح اور غور و خوض | فنِ بالا میں رہا کرتا ہے اس کا مشغلہ
فطرتِ خاموش کے لاکھوں مناظر بے بدل | سطوت و عظمت پہ جنکے فہمِ عالم ہے فدا
خوبصورت کوئی بت یا کوئی تصویرِ جمال | کوئی عمدہ نظم یا دلکش صدا کا سلسلہ
دیکھتے ہی سنتے ہی فوراً بشر کے قلب میں، | خوشگوار احساس کا طوفان ہوتا ہے بپا
دل میں بھر جاتے ہیں جذباتِ مسرت ناگہاں | سازِ لب سے اٹھتا ہے تحسین کا اک غلغلہ
یا خموشی اس پہ چھا جاتی ہے ایسے وقت میں | جب کہ ہو جاتا ہے ذہنِ نارسا بیدست و پا
لفظ تک اظہارِ کیفیات کے ملتے نہیں | جوشِ دل لفظوں میں اس سے ہو نہیں سکتا ادا
شکل، حرکت، رنگ اور نیز اس طرح کے ارتسام | دیکھنے یا سُننے سے جن کا ہوا نشو و نما
اطلاع ان کی دیا کرتے ہیں ہر دم گوش و چشم | جس سے پیدا ہوتی ہے احساسِ لذت کی صدا
یہ وہی ہے جس کو کہتے ہیں، جمالی التذاذ | اس کا باعث حسن ہے جس میں نہیں چون و چرا
یہ وساطت سے حواسِ آدمی کے روز و شب | عقل و وجدان و تخیل کو ہے کرتا مبتلا

اور بدصورت شے انسان کو کمزور و مضمحل کر دیتی ہے، اور اس کے لئے سخت اذیت رسان ہے، عالم افسردگی
مین چونکہ اسی مکروہ صورت کی قربت و نزدیکی کا انسان احساس کرتا ہے، اسی بنا پر الم خیزو ازفتگی اس پر قبضہ کر لیتی
ہے جمیل شے خوشگوار احساس کی خالق ہے، اور یہ صفت اس سے کسی وقت علحدہ نہین ہوتی، مگر خوشگوار شے
کی یہ نوعیت نہین، اس پر جمیل ہونے کا اطلاق نہین ہوتا، یہان یہ تصریح بھی ضروری ہو کہ سونگھنے اور چکھنے کی
چیزون سے جمال کا تعلق نہین، یہ دیکھنے اور سننے کی چیزون کے لئے مخصوص ہے، فواکہ، اغذیہ، اشربہ، عطریات،
کتنے ہی اعلیٰ درجہ کے کیون نہ ہون یہ لفظ جمیل کا مصداق نہین بن سکتے، انھین خوشگوار، عمدہ، نفیس وغیرہ ان ہی الفاظ سے

نفس مین پیدا کیا کرتا ہے جذباتِ نفیس
روح کو پہنچاتا ہے تا حدِ بامِ اعتلا

حسیاتِ احساس اور لذات کی دلچسپ بحث
ہے یہی وہ روزنِ درجس سے یہ ہے جھانکتا

کچھ نواہائے شنیدہ، کچھ بہار دیدہ سے
دونون سے مل کر بنا ہے اسکا سحرِ جانفزا

خوشگوار احساس کا اٹھتا ہے جب جوشِ طرب
اس کو کہتے ہین یہ ہے سیلابِ حسن خودنما

حسن کو سقراط ٹھہراتا ہے مانندِ مفید
اور فلاطون کی نظر مین ہے یہ اد کامرتبا

جو تصورِ خیر برتر اور الوہیت کے ہین،
حسن ہے ایسا تصور کا تمثیل وہم نوا

حسن سے اشیاے عالم کل کے کل لبریز ہین
یہ خیالاتِ فلاطون کا ہے مجمل تذکرہ

حال کے نقاد کہتے ہین نہین ایسا نہین
یہ ہے احساس وحواس آدمی کا شعبدہ

جو کسی شے کے تصور سے ہوا ہو ارتسام
اہل یورپ کرتے ہین اپنی یہین سے ابتدا

پھر صفات، اعراض اشیا دیکھتے ہین غور سے
تاکہ حاصل ہو جمالی کیفیت کا مدعا،

حسن کی تخئیل سے حاصل شدہ لذت وہ ہے
مادی اغراض کا جس مین نہ ہو کچھ شائبہ

سب سے پہلے کانٹ نے اس امر کی تعیین کی
حسن کی لذت نہ ہو وابستہ حرص و ہوا

اس کے احساس و شعورِ اولین کے باب مین
ماہرینِ فن نے لونیت سے کی ہے ابتدا

جتنے گہرے رنگ رجحانات کو ہون گے پسند
سمجھا جائے گا تمدن کا ابھی ہے بچپنا،

تعبیر کیا جائے گا، میوہ جات لذیذ غذاؤں سے قوتِ ذائقہ ضرور حظ اندوز ہوتی ہے، عطریات قوتِ شامہ کو یقیناً محظوظ کرتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی جمیل شئے نہیں ہوتی، اسی بنا پر اغذیہ وغیرہ کے ذائقہ اور خوشبو کو جمیل نہیں کہا جاتا، حسن سے کیفِ مسرت کا ظہور رونما ہونے کی علت وہ ارتسام ہے جو ذہنِ انسانی کے صفحہ پر حواس کے ذریعے

ہلکے رنگوں کی نفاست جتنی دل کو بھائیگی
اتنا ہی ہوگا تمدن کو عروج و اعتلا

حسن کے قصرِ بصیرت زا کی جانب رات دن
ہر تمدن بڑھتا ہے لیکر کمندِ ارتقا

آبشاروں کی روانی چرخ آسا کوہسار
نیرِ تاباں کا چھپ چھپ کر نکلنا ڈوبنا

اور اجرامِ سماوی کے منور قمقمے
آج تک فہمِ بشر جن کی نہ گنتی گن سکا ہے

ابر کی اودی، سنہری، نیلی پیلی ساریاں
جن کو پھیلاتی ہے چرخِ بام پر بادِ صبا

وہ شفق کا پھولنا وہ اس کی زریں آب و تاب
تودۂ غبرا ہو جس سے صاف سونے کا ڈلا

قلزم و عمان کی موجوں کا خروشِ سہمگیں
دیکھنے سے ان مناظر کے ہے دل ہیبت کدہ

ان کی لامحدودیت مرعوب کرتی ہے ہمیں
سامنے آنکھوں کے رہتی ہے جلالت کی فضا

اس تصور میں اسی حد پر ہے احساسِ الم
حس کی پہلے ہوتی ہے افسردہ کچھ طبعِ رسا

بعد اس کے خود ابھرتے ہیں وہ جذباتِ لطیف
جن سے پھر بڑھتا ہے آگے ذوقِ دل کا حوصلہ

ایک ہی آواز یا صورت ہر اک پر اک طرح
کیوں اثر کرتی نہیں اس کی ہے آخر وجہ کیا

ساختِ عصبی ریشوں میں ہر شخص کے یکساں نہیں
اختلافِ عادت و تعلیم ہے اس کے سوا

ذہن کی بالیدگی میں بھی بہت باہم ہے فرق
بیش و کم تفریق کرتی ہے طبائع کو جدا

اک تخیل ہی نہیں اس حسن کے زیرِ اثر
عقل تک پھیلا ہوا ہے، اس اثر کا دائرہ

دلکشی، آواز، حرکت، رنگ، خط میں جو بھی ہو
یہ بامدادِ حواس اک فعل ہے ادراک کا

ان میں پیدا کرتے ہیں موزونیت فکر و شعور
جس سے بن جاتا ہے یہ نقشہ عجب لذت فزا

قوتِ ذہنی ہیں انسان اور حیوان کی
باہمی تفریق کو کرتی ہے ظاہر بر ملا

مختلف رنگوں کی اک تصویر کو یا نظم کو
دیکھتا سنتا ہے حیوان بھی مگر کیا فائدہ

سے نقش ثبت کر دیتا ہے،

جمیل اور کارآمد ان دونوں میں باہم حد فاصل قائم ہے حقیقتہً جو جمیل شے ہو، اس کے خیال سے حاصل شدہ لذت عموماً مادی لحاظ سے غیر مفید کہلانے کی مستحق ہے، کیونکہ خیال حسن سے حاصل کی ہوئی لذت غرض اور خواہشات مادی کی آمیزش کی متحمل نہیں، یہ ایسی لطیف اور نازک لذت ہے، جو غرضوں اور مادی خواہشوں سے یکسر پاک وصاف ہوا کرتی ہے، اس لذت کے بارہ میں پہلے پہل جرمنی کے فلسفی کانٹ نے نہایت تصریح سے بیان کیا کہ حسن کی حاصل شدہ لذت میں خواہشات مادی وغیرہ کا شائبہ نہ ہونا چاہئے، چشم وگوش ہی وہ وسیع راستے ہیں، جن پر بعض آوازوں کی سماعت سے پیدا شدہ ارتسام اور رنگ وشکل وحرکت کی اطلاع کے قافلے منزل دماغ میں داخل ہوتے رہتے ہیں، ان ارتسامات میں لذت یا الم کا احساس بھی شریک رہتا ہے، یہ لذت جمالی لذت سے موسوم ہے، جس کی علت تامہ حسن ہے، ایسا حسن کہ جس کی اثر انگیزی انسانی وجدان عقل

اس سے حیوان کو حصول کیف ہوتا ہی نہیں
کس طرح ہوتا ہے ظاہر یہ جمالی التذاذ

جس سے وہ ظاہر کرے جذبہ کوئی ابھرا ہوا
فعل اور تخلیق ہے اس کا ذریعہ واسطہ

دل میں انسان کے یہی رہتی ہی خواہش جاگزین
جو کرے محسوس اس کو جون کا توں کردکھا

نگری، معماری، وموسیقی کلفت شکن
شاعری جس میں کہ رہتا ہے، درتخیل وا

نیز نقاشی کہ جو دنیا ہے نقش ورنگ کی
ارتسام ذہنی وطبعی کا ان میں سلسلہ

سب یہ ظاہر ہوتا ہے الفاظ یا اصوات سی
نام صناعی ہوا ایسے ہی اظہارات کا

خارجی صورت میں ہم وجدان یا احساس کو
جب کریں ظاہر تو صناعی یہی کہلائے گا

منفعل رہتا ہے یا خوابیدہ احساس جمال
عام لوگوں میں مگر صناع میں ہے جاگتا

فعل ہے افراط قوت کا نتیجہ اور یہی،
یا درتخلیق سے کرتا ہے ظاہر دست وپا

دیکھتی ہے غیر مرئی چیز کو کس غور سے نہ،
صوت ورنگ وسنگ میں صناع کی طبع رسا

پھر اسے مرئی بنا کے سامنے لاتی ہے یہ
جس سے دل کے باغ میں چلتی ہے لذت کی ہوا

وتخیل کو متاثر کرتی ہی، اور روح کو پاک وصاف کرکے نفس مین شریفانہ جذبے پیدا کرتی ہے، لذتِ حسن مین خواہشات واغراض کا نام ونشان نہین ہوتا، اس لئے کہ خواہشات کا اقتضا یہ ہوا کرتا ہے، کہ کسی طرح اشیائے عالم پر قابو پالین، اور انھین اپنے قبضہ واقتدار مین لے آئین، اس بنا پر خواہشات رنج وغم کا سبب ٹھہرتی ہین، جمالیات کا مطمح نظر اور مقصد کیا ہے، وجدانات اور لذات کی تحقیق، اور پوری پوری ان کی حدبندی کرنا، خوشگوار احساس چلتا ہوا جادو ہے، جس سے بچکر نکلنا انسان کے بس کی بات نہین، عام طبیعتین خوشگوار احساسات سے متاثر ہونیکے بعد بھی وہ اس توجیہ سے بالکل لاعلم رہتی ہین کہ کس بنا پر وہ متاثر ہو رہی ہین، اور بیشتر اس متاثر ہونے کی علت اور سبب کی تحلیل وتحقیق نہین کرسکتین، ایک عامی محسوس کرنے کے بعد الفاظ یا افعال کے ذریعہ اپنے احساس پنہان کو برافگندہ نقاب کرنے پر قدرت نہین رکھتا، صرف محسوس کرنا یہ جبلّی یا وجدانی خاصہ ہی جو ایک حد تک حیوانات مین بھی پایا جاتا ہی، عام شخص محض محسوس کرتا ہی، اور فلسفی یا صناع غور وفکر کرتے ہین اور اپنے احساسات کو الفاظ یا افعال کے ذریعہ سے ظاہر بھی کر دیتے ہین، انس ومحبت، میلان و رغبت، انبساط ومسرت کے احساس کا منبع جمیل ہے، اور تکدر وانقباض، نفرت وکراہت کے احساس کا مخزن مکروہ وقبیح ہے، اس کے خلاف

یا یہ کہئے کام مین صنّاع سحر انگیز کے — صاف ہے توضیح نصب العین کا نقشہ کھینچا
یہ ذریعہ سے حواس آدمی کے ذہن کو — لیکر آغوش اثر مین اور بڑھتا ہے سوا
روح کو دیکر سہارا پھر یہ کرتا ہے بلند — اور جذباتِ شریفانہ کو دیتا ہے جگا،
اس سے وجدانات اعلیٰ پاتے ہین اوج کمال — یہ دماغ ودل کو دیتا ہے تاثر کی غذا،
قوتین انسان کی کل اس کے ہین زیر اثر — روح کی گہرائیون مین بھی ہے یہ بیرا ہوا
عام نظرون سے نظر صناع کی ہوتی ہی تیز — وہ تعقل کرتا ہے جب ایک نصب العین کا
ساتھ ہی اس کے کسی پیرایۂ دلچسپ سے — جون کا تون کر دیتا ہی اس کا اعادہ بے خطا
اس بیان مین اس جگہ پیدا یہ ہوتا ہے سوال — کیا ہے صناعی فقط تقلید کی بانگ درا
جو اعادہ کرتی ہے حسی ظواہر کا تمام — کوئی کیا اس کا بھی ہے مقصود وغایت مدعا

جبروت آمود حسن فطرت، فضائے بسیط میں جگر لگانے والے بیشمار اجرام سماوی، فلک بوس جبال، بحر ذخار، نیر عالم کا طلوع و غروب، یہ سب کے سب مناظر جمیلہ ہیں لیکن ان کے تصور سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اس میں رنج والم کا بھی لگاؤ ہے، اسلئے ان کے غیر متناہی ہونے کے رعب سے انسان سہم جاتا ہے، ایسے اوقات میں محاذ نظر کی جمیل کے بجائے جلیل سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے، جس سے ابتداءً افسردگی کا احساس شروع ہوتا ہے، اور پھر ایک شریفانہ جذبہ ابھر آتا ہے،

اس سے ہٹکر مضحک کا بھی ایک تصور ہے، جو جلیل کے مقابل ہے، توازن و تقابل اور مصنوعی متانت و سنجیدگی کا احساس اس تصور کا رہبر اور مبدأ ہے،

سنی کا قول ہے، کہ اگرچہ لائق ضحک اور مضحک یہ دونوں ہم معنی سمجھے جاتے ہیں، لیکن لفظ مضحک اصطلاحاً محدود اور معین ہی معنی رکھتا ہے، یہ ایک پُر وقار پُر متانت خندۂ سنجیدہ پیدا کرتا ہے، یہ مفہوم خاص اسی لفظ کے لئے مخصوص ہے، اور اس سے محض ہنسانے والی شے مراد نہیں لیجاتی، احساس جمال ظاہر کرنے والی چیزوں کے آئین و اصول صناعی پر مضحک کا بھی دار و مدار ہے، احساس مسرت حزنیہ (درویہ) بھی پیدا کرتا ہے، اس میں رحم کے جذبہ کا لگاؤ ہے، یہ بھی لذت ہے، مگر ایسی جسمیں الم بھی شریک ہے، لذت اس بنا پر کہ انسان کے اخلاقی وجدانات

کیا نہیں اخلاق سے اس کا تعلق یا کہ ہے،
محض صناعی کی خاطر سیکھیں صناعی کو کیا،

ان سوالات عجیبہ کی ہے ایسی شاہراہ
ماہران فن یہیں سے ہوتے ہیں یا ہم جدا

نقل فطرت کی بعینہٖ یا تشابہ بس یہی،
بعض کے نزدیک صناعی کا مقصد ہے بڑا

بعض کہتے ہیں مناسب ہی نہیں صناع کو
نقل فطرت میں کرے فطرت کی پوری اقتدا

بلکہ کچھ ہو نقل اور کچھ ہو اضافہ ساتھ ساتھ
وہ اضافہ اپنے افکار اور وجدانات کا

فطرت خاموش سے اشیا کو کرے منتخب
ربط دیگر سے فطرت کو کرے ان سے ادا

ایسی صناعی جو ہو مخصوص خط و خال کی
یا تصور کوئی یا سیرت ہو جس سے رونما

یہ حقیقت سے زیادہ منکشف ہوتی ہے اور
ذہن کو پہناتی ہے فوراً تاثر کی قبا،

کو اس سے خاص تمتع حاصل ہوتا ہے، اس قسم کے جتنے احساسات ہین، وہ سب جمالیات کے حدود مین داخل ہین، اس بنا پر جمالیات، جذبات، وجدانات، حسیات، ان سبھون کا بامعان نظر مطالعہ کرتی ہے اور جمیل مکروہ جلیل مضحک، اور تصورات انبساط و مسرت کی توضیح و تعریف کرنا بھی اسی کا فرض ہے، ایسے علل و اسباب جو کسی شے کے جمیل یا بدشکل ہونے کے سبب و علت ہوتے ہین، ان کا پتہ لگانا بھی اسی کے ذمہ ہے، جمال فطرت صناعی کی خوبصورتی، مادی وغیرمادی چیزون کے حسن کی تحقیق و تفتیش بھی یہی کیا کرتی ہے، احساسات جمالی کا مبدء کونسا ہی، یہ احساسات کس طرح اور کہان سے پیدا ہوتے ہین، کس شے پر حسن مجسم کا اطلاق آسکتا ہی، احساسات جمالی جو بجائے خود ہر ایک کو محسوس ہوتے ہین، کیا یہ احساسات زادۂ اشیاء کہے جا سکتے ہین، ایک شے یا آواز یکسان دو طبیعتون پر کیون اثر نہین کرتی، ایک شے اس سے حظ اندوز ہو کر نشاط کی انگڑائیان لیتا ہی، اور دوسرا اُسی سے متنفر ہو کر منہ پھیر لیتا ہے، خط وخال اشیاء اور ارتعاشات اصوات وہ کس قسم کے ہین جن سے یہ جمیل و دلکش بن کر انسان مین احساس مسرت و انبساط پیدا کر دیتے ہین، اشیائے جمیلہ کا پورا جتھا کیا یکسان قدر مشترک رکھتا ہے، اس طرح کے استفسار و سوال جمالیات ہی سے تعلق رکھتے ہین،

پروفیسر بین کی تحقیق مین ذہن انسانی حسن کے ابتدائی تصورات کی ابتدا، لونیت سے کرتا ہی، اُسے مثال مین اس طرح ظاہر کیا ہی، کہ شکل وصورت، موزونیت سے لذت اندوز ہونے سے پیشتر بچے نہایت گہرے

زدمین وجدانی اثر کے آکر اک صناع کو،
فکر ہوتی ہے، بنادے نقل کی اس کو سبھا
اس لئے پوری وہ کرتا ہی نہیں فطرت کی نقل
اتنی ہی کرتا ہے جو محسوس وہ خود کر چکا،
پھر یہین سے اور پیدا ہوتا ہے مشکل سوال،
جسکو کرسکتے ہین پہلے کے مقابل دوسرا
تابع اخلاق صناعی کو ہونا چاہئے ؟
یا نہین اخلاق سے بالا ہے اس کا مرتبہ
بعض اس بارہ مین رسکن کے ہوئے ہین ہمخیال
کہتے ہین اخلاق پر صنعت کی قائم ہو بنا،
اپنے وجدانات اعلیٰ مین کرے ہمکو شریک
سب سے بڑھ کر کارنامہ ہے یہی صناع کا،
مقصد اعلیٰ ہو صناعی کا بس یہ ایک ہی
اس سے ہو اخلاق کی تعلیم کا نشو ونما

اور شوخ رنگون کے گرویدہ ہوتے ہین، بچون کی طرح ایک دہقانی بھی اسی قسم کے شوخ رنگون کا حریص ہوتا ہے، غرض کہ ایسی وحشی قومین جو ارتقائے ذہنی کی منزلین طے کرنے کی جانب ابھی مائل نہین، انھین جاندار اور بے جان اشیاء کے گہرے رنگ نہایت پسندیدہ معلوم ہوتے ہین. وہ افراد جو ابھی نشو ونما کی عدم تکمیل کی گھاٹی سے باہر نہیں نکلے ہین، شعورِ ذات کی معرفت سے خالی ہاتھ اور مطالعۂ باطن کی سرحد (جو ترقی کی ممتاز منزل ہے،) سے دور پڑے ہوئے ہین، یہ بھی گہرے رنگ یا مجموعۂ الوان کو دل سے پسند کرین گے لیکن ایک ترقی یافتہ مہذب انسان کی نظر مین یکسانیت لئے ہوئے ہلکے رنگ خوشنما معلوم ہون گے، امتیازِ حسن اور پسندیدگی کی قوت عموماً ذوق سے تعبیر کی جاتی ہے، اسے لذت جمالی کے محسوس کرنے کی استعداد و قابلیت کہتے ہین جو مبدءِ فیاض سے انسان کو عطا ہوئی ہی، جماعت و افراد مین تربیت و تعلیم ترقی دیکر اس قوت کو آگے بڑھا دیتی ہے، ایک آواز یا ایک صورت سے ہر ایک مساویانہ طور پر متاثر نہ ہونے کی بھی مختلف وجہین ہین، مثلاً عصبی ریشون کی ہر ایک مین عدم یکسانیت تعلیم عادت رسم و رواج سے باہمی جداگانہ طبیعتون کا اختلاف، ہر ایک کا ذہنی نشو ونما مین افتراق وغیرہ یہی وجہین ہین جس سے ہر ایک طبیعت ایک سا اثر نہین لیتی، حسن تخیل اور عقل دونون کو متاثر کرتا ہی، حرکات، خطوط، اصوات، اور رنگون کی دلکشی کے ادراک ذریعہ و وسیلہ حواس ہین، اور ان مین موزونیت پیدا کرنے کا کام فکر و شعور سے متعلق ہے، یہین سے انسان اور حیوان کے امتیازات کی راہین علٰحدہ ہوتی ہین، کسی عمدہ تصویر یا اچھی نظم ان دونون کو حیوان بھی

بعض کہتے ہین کہ صناعی نہ ہو یا بندِ قید ۔۔۔ اس کو ہونا چاہئے مطلق جمیل و خوشنما
ہیئت و صورت ہی مین موجود ہوتا ہی جمال ۔۔۔ بے تعلق جس سے یہ رہتا ہی وہ ہے مادہ
بعض گذرے ہین جمالیین مین ایسے بھی فرد ۔۔۔ جو جمالیات کی کرتے ہین اس حد پر ثنا
کہتے ہین رتبہ جمالیات کا مافوق ہے، ۔۔۔ اور ہے اخلاق سے بھی اس کا اونچا مرتبہ
الغرض یہ ایسا دلکش روح پرور پھول ہی ۔۔۔ جسکی خوبی سامعہ اور باصرہ کی ہے غذا،
چشم نظارہ طلب مین اس سے سحرِ بیخودی ۔۔۔ سامعہ مین اس کی لذت کا ہی اک طوفان بپا

دیکھتا اور سنتا ہو مگر بیکار اور فضول، وہ شعور محبت اور کسی قسم کے ابھرے ہوئے جذبے سے بالکل خالی نظر آتا ہے، فعل اور تخلیق یہی جمالی لذت کی جلوہ گاہ ہے، یہ لذت اسی فضا مین رونما ہوتی ہے، جس قسم کے بھی احساس سے انسان متاثر ہوتا ہے، اس کا فطری اقتضا یہی ہے، کہ ایسے مواقع پر روداد تاثر کی اصوات یا الفاظ سے ترجمانی کرے، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے موقعون پر وہ سرتاپا عمل بن کر کہنے اور کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہی، اس اقتضائے فطرت سے مجبور ہوکر ایک بے سواد جو تقریر و تحریر سے بالکل مس نہین رکھتا، وہ بھی اس قسم کی سعی و کوشش کی ہمت کیا کرتا ہی، اگرچہ اس کا یہ عزم و ارادہ محض فطرت کے مجبور کردینے کی وجہ سے ہوا کرتا ہی، مگر عوارض جہل کے سبب سے یہ کمان اس سے نہ نہین ہو سکتی لیکن جو اشخاص قوت اظہار سے بہرہ ور ہین، وہ جبتک اسے عمل کی نمایش نہین بنادیتے اس وقت تک انھین چین نہین آتا، طبعی ذہنی یا اخلاقی ارتسامات کی تحصیل کے بعد خطوط، الفاظ، یا اصوات کے ذریعہ سے نقاشی، سنگتراشی، معماری، شاعری اور موسیقی مین انھین ارتسامات کو ظاہر کیا جائے، تو اس کو فن یا صناعی کہین گے، صورت خارجی مین اظہار وجدان یا احساس کا صناعی نام رکھا جاتا ہی، احساس جمال عوام الناس مین منفعل یا خفتہ رہتا ہی، اور یہی صناع مین طاقت فاعلی اور حالت بیداری کی شان مین جلوہ نما ہوتا ہی، افراط قوت کا نتیجہ فعل کہلاتا ہی، اور تخلیق کے ذریعہ سے یہی فعل معرض ظہور مین آیا کرتا ہی، ایک صناع غیر مرئی شے کو بذریعہ سنگ یا رنگ زبان یا آواز کے مرئی بنا کے پیش کرتا ہی، صناع کا کام اس کے مطمح نظر اور نصب العین کا توضیحی نقشہ ہی جو اس کی وساطت سے وہ ذہن کو متاثر کرتا ہی، جس سے روح مین رفعت و بلندی اور نفس مین جذبات شریفانہ کا چشمہ ابل پڑتا ہی، اسی سے دبے ہوئے وجدانات اعلیٰ ابھر آتے ہین، صناعی دل و دماغ دونون کو تاثر کی غذا تقسیم کرتی ہی صناع وجدان، تصور، جبرہ کی خصوصیات کو اس طرح ترکیب دیکر سامنے لاتا ہی کہ اس پیشکش کے آئینہ مین اس سے قبل کی نہ محسوس کی ہوئی چیزین نہایت صاف دکھائی دیتی ہین، (باقی)

جنت گوش، اور فردوس نظر ہر ایک مین جلوہ ہائے حسن کی رہتی ہے نور افشان ضیا
روز و شب سمع و بصر کے پردۂ فانوس پر کوندتی رہتی ہے اس کی برق استعجاب زا

(باقی)

تلخیص و تبصرہ

اقتصادی تباہی اور امریکہ کی خانگی زندگی

امریکہ کی دولت و ثروت اور تہذیب و تمدن کی حکایتین اس کثرت سے ہمارے کانون تک پہنچی ہین کہ اب وہان کے افلاس و وحشت کے واقعات کا مشکل سے یقین آتا ہے، اور سمجھ مین نہین آتا کہ جس ملک مین کروڑپتیون کی تعداد بھی حدِ شمار سے باہر تھی وہان قوتِ لایموت کا سوال کیسے پیدا ہوگیا، اور جن ہاتھون مین تہذیب حاضر کی شمعِ ہدایت تھی وہ وحشت و بربریت کی انتہائی تاریکیون مین قتل و غارتگری مین کیونکر مصروف ہین، لیکن واقعات بہرحال واقعات ہین، جنپر حسنِ ظن یا خوش اعتقادی کی کوئی نقاب پردہ نہین ڈال سکتی،

امریکہ کی موجودہ اقتصادی تباہی کا جو اثر عام طور پڑا ہے، کہ لاکھون آدمی بے روزگار ہوگئے، جرائم کی کثرت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے، قتل او ڈاکے دن رات ہزارون کی تعداد مین ہورہی ہین اور تمام ملک مین ایک عام پریشانی اور سراسیمگی پھیلی ہوئی ہے، اس وقت اس کی تفصیل سے بحث نہین، یہان صرف اس اثر کو دکھانا ہے جو اقتصادی تباہی نے امریکہ کی خانگی زندگی پر ڈالا ہے، اور پھر تمام ملک کا ذکر نہین بلکہ صرف ایک شہر نیویارک کے حالات ہین جو رسالہ لٹریری ڈائجسٹ (۱۲ مارچ ۳۲ء) کے حوالہ سے ناظرین کے سامنے پیش کئے جاتے ہین،

نیویارک امریکہ کا دارالسلطنت، اور تمام متمدن دنیا کا اولین شہر ہے، اس کی حالتِ زار سے امریکہ

کے دوسرے شہرون اور عام ملک کی حالت کا قیاس کیا جا سکتا ہے، نیویارک کی انجمن رفاہ عام (welfare council) نے اپنے نو سو کارکن غریب گھرون کے حالات دیکھنے پر مامور کئے تھے، ان لوگون نے صرف نیویارک مین تقریباً ساڑھے سات لاکھ غریب خاندانون کی جانچ کی اور اپنی رپورٹ انجمن کے سامنے پیش کی، اس رپورٹ کے مباحث کے عنوانات حسب ذیل ہین :-

"ہمت و حوصلہ سے محرومی، اور یاس و نا اُمیدی کی زیادتی اکثر سرقہ، قتل اور خودکشی کی حد تک سراسیمگی اور دماغی الجھن،

خود اعتمادی کا فقدان، اور اپنی ناکامی اور فروتنی کا احساس،

جدّتِ طبع اور احساسِ ذمہ داری کا باقی نہ ہونا،

بے مقابلہ اطاعت اور بردباری، کام کی تلاش یا کسی نئی چیز کی کوشش کے لیے ہمت کا باقی نہ ہونا،

روزگار حاصل کرنے کی ضرورت کے خیال کا ہمہ وقت دماغ پر مستولی رہنا،

قانون اور مذہب سے بیزاری، اخلاقی اور روحانی انحطاط،

سوسائٹی، حکومت اور عام طور پر تمام چیزون کے خلاف کلبیت (Cynicism) بغض، عداوت اور بغاوت، تفاخر اور خودداری کا فقدان، اپنی ظاہری حیثیت کی طرف سے بے پروائی اور عام بے حسی،

بےچینی، پریشانیون سے بھاگنے کے لیے لہو و لعب کی طلب، جو بالآخر مےخواری اور قماربازی کی شکل اختیار کر لیتی ہے، دماغی اور اعصابی ہیجان جو شدید ترددات سے لیکر خطرناک بیماریون تک ترقی کر جاتا ہے،

دوبارہ روزگار حاصل کر لینے کے بعد بھی اس کے جاتے رہنے کا ہمیشہ ڈر لگا رہنا"

آخر مین خلاصہ کے طور پر خانگی زندگی پر بے روزگاری کا اثر یون بیان کیا گیا ہے، "گذشتہ دو سال کے اقتصادی حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ خانگی تعلقات پر ضرورت سے زیادہ بار پڑ گیا ہے، زن و شوہر اور اولاد و والدین کے رشتے کمزور ہو گئے ہین، خاندانون کا شیرازہ منتشر ہو گیا ہے، وسائل آمدنی شوہر اور باپ سے بیوی اور

بچون یا پبلک کی طرف منتقل ہوگئے ہین، والدین کا اقتدار اپنی اولاد پر باقی نہین رہا، خانگی تربیت کو صدمہ پہنچا ہے، شخصی مشکلات اور خانگی پیچیدگیان نہایت سرعت کے ساتھ بڑھ گئی ہین، اور بے اطمینانی اور بے امنی مین ترقی ہوگئی ہے"

ڈاکٹر لورے (Lowrey) ناظر ادارۂ "رہنمائے اطفال" (Institute for Child Guidance) کا بیان ہے کہ اکثر ان مشکلات کو دماغ سے دور کرنے کے لیے لوگون نے میخواری اور قماربازی اختیار کرلی ہے اور جب اس تدبیر سے بھی سکون حاصل نہ ہوا تو پھر گھربار چھوڑکر کہین نکل گئے، لیکن مشکل اب بھی حل نہ ہوئی اور بالآخر مجبور ہوکر انھون نے خودکشی کی راہ اختیار کی، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے قول کے مطابق خودکشی کی رفتار مین نمایان ترقی ہے۔ اقتصادی دشواریون کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ لوگ سوسائٹی کے موجودہ نظام کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہین اور ہراس اجتماعی یا سیاسی مسلک کو قبول کرنے کے لیے تیار ہین جو اس وقت ان کی دستگیری کرے، اور یہی جذبہ ہے جس نے ان لوگون کو موجودہ معاشیاتی نظام سے برگشتہ اور مذہب سے بیزار کر رکھا ہے،

لیکن امریکہ کے بعض اہل نظر اس تاریکی مین بھی روشنی محسوس کررہے ہین، ان کا خیال ہے کہ ملک کی اقتصادی تباہی نے خانگی زندگی پر مفید اثر ڈالا ہے، اور فقر و فاقہ کی سختی نے باہمی تعلقات کو پہلے سے زیادہ مضبوط کردیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر الیٹ (Elliott) کا بیان ہے کہ خاندان کے افراد اب پہلے سے زیادہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے متوجہ ہورہے ہین، اگر موجودہ اقتصادی تباہی کا کوئی پہلو خدا کی رحمت خیال کیا جاسکتا ہے، تو وہ یہی ہے کہ اب لوگ باہمی استعانت کی ضرورت زیادہ محسوس کرنے لگے ہین اور سوسائٹی کی فلاح کے لیے ازدواجی اور خانگی زندگی کا وجود ضروری خیال کیا جانے لگا ہے"،

اوپر کے اقتباسات کو پڑھکر یہ بات کتنی روشن ہوجاتی ہے کہ ہم جس ملک کو جنت کا ٹکڑا سمجھتے ہین وہی دوزخ کا نمونہ بھی ہے، اور ہم اس کی ظاہری دلفریبیون کو دیکھکر یہ یقین کرلیتے ہین کہ یہ وہ مسرتگاہ ہے جہان غم کا نام ونشان نہین، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہان کے پردرد دلون کی آہ و بکا، وہان کے عیش و نشاط کے سرود

کی آوازون سے دبکر ہمارے کانون تک نہین پہنچتی، حالانکہ قدرت الٰہی وہان بھی اسی طرح کارفرما ہے جس طرح یہان، اور زخمی دلون کی تسکین کا مرہم نہ دولت کی کثرت ہے، نہ عیش و مسرت کی فراوانی بلکہ وہ صرف جدّ و جہد کی دولت، اور قناعت کی مسرت ہے، اور یہی وہ خزانہ ہے جس کی کلید مذہب کے ہاتھون مین ہے؛

"ع ز"

ڈنمارک مین پہلوی مخطوطات

آج ڈنمارک سے ہندوستان یا ایران ایک ہفتہ کا راستہ ہے لیکن گذشتہ صدی مین کوپن ہیگن (دارالسلطنت ڈنمارک) سے بمبئی یا یزد پہنچنے مین مہینون صرف ہوجاتے تھے، باوجود اس کے علماے ڈنمارک اس زمانہ مین بھی اس خیال سے یزد اور بمبئی کا سفر اختیار کرتے تھے کہ یہ مقامات اُن کے نزدیک پارسی علوم کا گہوارہ تھے،

پارسیون کے قدیم مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کا اتنا شوق انھین غالباً فرانسیسی فضلار کے تذکرون کو پڑھکر پیدا ہوا، ریزمس راسک (Rasmus Rask) ۱۸۱۶ء اور ۱۸۲۳ء کے درمیان ہندوستان آیا تھا، خوش قسمتی سے اُسے اوستی اور خصوصاً پہلوی مخطوطات کی ایک بڑی تعداد دستیاب ہوگئی جسے اس نے خرید لیا،

اسکے بعد اسکا ہموطن وسٹرگارڈ (westergard) ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۴ء کے درمیان آیا، وسٹرگارڈ اپنے پیشرو سے کہین زیادہ دلیر تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حصول مقصد یعنی مذہبی تحقیق و تفتیش کی غرض سے کتابین فراہم کرنے کے لیے ناجائز دباؤ سے بھی کام لیا، ان دونون نے اپنے حاصل کردہ پہلوی مخطوطات کوپن ہیگن کے کتب خانہ کو دیدئے، یہان اہل علم برابر ان مخطوطات کے اقتباسات اس غرض سے لیتے رہتے تھے کہ دوسرے نسخون کی تصحیح کرلین، بالآخر مستشرقین کی جو کانگرس ۱۹۱۲ء مین ایتھنز مین منعقد ہوئی اسمین یہ طے پایا کہ چونکہ ان مخطوطات کی مانگ برابر رہتی ہے اس لیے اُن کے عکسی نسخے شائع کردیئے جائین،

اس تجویز پر عمل ہونے مین جنگ عظیم کے باعث تاخیر ہوئی، آج ڈنمارک مین دنیا کے اور ملکون کی نسبت اقتصادی مشکلات کا اثر کم نظر آتا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے وہان سے تقریباً بیس اہم پہلوی رسالون کے

عکسی نسخے ایک شاندار جلد مین "پہلوی مخطوطات، ک (۲) وک (۲) ب" کے عنوان سے شائع ہوگئے ہین مقدمہ ڈاکٹر کرسٹنسن (Dr. Christensen) کے قلم سے ہے جو کوپن ہیگن یونیورسٹی مین ایرانی لسانیات کے پروفیسر ہین اور تیس سال سے زیادہ سے مختلف زبانون مین ایرانی آثار عتیقہ پر روشنی ڈال رہے ہین،

ڈاکٹر کرسٹنسن کی کتاب "ساسانی تہذیب و تمدن" اپنی بیش قیمت معلومات کے لحاظ سے ایک بلند پایہ تصنیف ہے، صفائی اور سلاست اس کتاب کی امتیازی خصوصیات ہین، ڈاکٹر موصوف انگریزی یا فرانسیسی جس زبان مین بھی لکھتے ہین عبارت صاف اور سلجھی ہوئی ہوتی ہے، اس مضمون سے متعلق صرف ایک کتاب اس سے پہلے لکھی گئی ہے یعنی ڈاکٹر بارتھالومے (Dr. Bartholomae) کی مرتب کی ہوئی اُن ایرانی تصنیفات کی فہرست جو کوپن ہیگن کے کتب خانہ مین موجود ہین، ڈاکٹر بارتھالومے کی کتاب مین مخطوطات کے جو اقتباسات اور بیانات ہین، اُن سے تقریباً وہ تمام معلومات حاصل ہو جاتے ہین جو مطبوعہ نسخون سے بہم پہنچے امید ہے کہ "پہلوی مخطوطات" کی جو جلدین آیندہ شائع ہونے والی ہین اُن مین ڈاکٹر کرسٹنسن ان مضامین کو تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے جنکا ذکر اپنے مقدمہ مین محض اجمالی طور پر کر کے انھون نے ناظرین کو مشتاق بنادیا ہے

پہلوی زبان جو ساسانی عہد مین رائج تھی اب بھی تمام ایرانیون پر ویسا ہی دلکش اثر رکھتی ہے اور یہ اثر اُن انکشافات کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ گیا ہے، جو ساسانی تہذیب و تمدن سے متعلق غیر متوقع طور پر ہوئے ہین، کوپن ہیگن یونیورسٹی کا یہ کارنامہ یورپ، ہندوستان، اور ایران کے اہل علم کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگا اور "پہلوی مخطوطات" کا یہ عکسی نسخہ اُن لوگون کی راہ مین بہت کچھ سہولتین پیدا کردیگا جو ایران کی قدیم ادبی یادگار سے واقفیت حاصل کرنی چاہتے ہین،

"ع ز"

(بمبئی کرانکل ہفتہ وار)

موت کی نسبت اہل جاپان کے عقائد

بدھ مذہب کے آنے سے پہلے جاپان مین تجہیز و تدفین کا کوئی خاص طریقہ نہ تھا، قدیم

تاریخون سے معلوم ہوتا ہے، کہ پرانے زمانہ مین مُردون کو بغیر کسی ادا ے رسم کے سمندر مین ڈال دیتے تھے، یا پہاڑون مین دفن کر دیتے تھے، لیکن بدھ مذہب جب جاپان مین داخل ہوا تو اپنے ساتھ تجہیز وتدفین کا ایک باقاعدہ نظامِ رسوم بھی لایا، اور اس وقت سے یہی مراسم تمام ملک مین بالعموم رائج ہوگئے، اگرچہ دفن کے قدیم جاپانی اور چینی طریقے اب بھی کسی حد تک باقی رہ گئے، چنانچہ جاپان کے شاہی خاندان اور امرا مین وہی قدیم طریقے اب تک جاری ہین،

بدھ مذہب کی تجہیز وتدفین کے بنیادی اصول ایک قدیم مذہبی قول مین اس طرح بیان کئے گئے ہین:-

"گرم پانی سے غسل دو، سوتی کپڑے کا کفن پہناؤ، لاش کو ایک سنہرے تابوت مین رکھو، اس پر خوشبودار تیل چھڑک کر خوشبودار مصالحون سے چھپا دو، اس کے بعد آگ مین جلاؤ اور ہڈیون کو جمع کرکے ایک بُرج مین رکھ دو"

اس ہدایت کے بموجب پہلے مُردون کو گرم پانی سے غسل دیا کرتے تھے اور یہ گذشتہ زمانہ مین تجہیز وتدفین کی ایک اہم رسم تھی، لیکن یہ رسم شہرون مین اب فنا ہوگئی ہے، البتہ بعض اضلاع مین ابھی تک باقی ہے، سفید سوتی کپڑے کا کفن اب بھی پہناتے ہین نہ صرف اس لیے کہ مذہبی حکم ہے بلکہ طہارت اور صفائی کے خیال سے بھی، پہلے قیمتی اشیاء اور لباس بھی لاش کے ساتھ دفن کر دیتے تھے، لیکن اب ایسا نہین کرتے، دیہات کے لوگ تانبے کے سکے یا ایک کاغذ کے ٹکڑے پر اُن سکون کا خاکہ کھینچ کر تابوت مین رکھ دیتے ہین، ان لوگون کا عقیدہ ہے کہ دریاے سنزو (Sanzu) اس دنیا اور بہشت کے درمیان حایل ہے اور یہ سکے اسی کو عبور کرنے کے حصول کے لیے چاہئین، چونکہ اُن کے نزدیک بہشت کی مسافت بہت طویل ہے، اس لئے مسافرِ عدم کے لیے تابوت مین پیال کی جوتیان اور ایک مضبوط ڈنڈا بھی رکھ دیتے ہین،

بدھ مذہب کے مروجہ عقائد کے مطابق اہل جاپان کا یہ خیال ہے کہ مرنے کے بعد انسان فوراً ہی دوسری دنیا میں نہیں پہنچ جاتا بلکہ اس درمیانی حالت میں رہتا ہے جو دنیا اور آخرت کی زندگی کے بین بین ہے، اس حالت میں نہ اُسے مردہ کہہ سکتے نہ زندہ، وہ موت اور زندگی کے درمیان ہوتا ہے، اس عقیدہ کے بموجب اُسے دنیاوی زندگی سے بالکل خارج نہیں سمجھا جاتا، اگرچہ اس کی لاش دفن کردیجاتی ہے، یا جلادی جاتی ہے، تاہم ہر روز اس کی رُوح کے سامنے غذا پیش کیجاتی ہے، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ روح جب تک اس درمیانی حالت میں رہتی ہے کھاتی پیتی ہے۔

مردہ کے اسی درمیانی قیام کے دوران میں "قاضی اعظم" فیصلہ کرتا ہے کہ وہ جنت میں بھیجا جائیگا یا دوزخ میں، لیکن اس فیصلہ سے پہلے دس محتسب یکے بعد دیگرے اس کے تمام اعمال حسنہ و قبیحہ کی جانچ کرتے ہیں، اور بالآخر وہ جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں اُسی کے مطابق مرنے والے کی قسمت کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس درمیانی زمانہ میں وہ دراصل موت اور حیات کے بین بین ہوتا ہے، کیونکہ عقیدہ یہ ہے کہ اس دوران میں اُسے سات بار دنیا میں واپس آکر پھر مرنا پڑتا ہے، اور ساتویں بار مرنے کے بعد تب کہیں اس کا تعلق دنیا سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہوتا ہے،

چونکہ یہ لوگ مسئلہ تناسخ کے قائل ہیں اس لیے روح کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کبھی فنا نہیں ہوتی، بلکہ مختلف شکلیں اختیار کرتی رہتی ہے، اس امر کا فیصلہ کہ دنیاوی موت کے بعد روح کونسی شکل اختیار کرے گی "قاضی اعظم" کرتا ہے، جب وہ اُن دس محتسبوں کی شہادتوں پر غور کرلیتا ہے،

اوپر کہا جاچکا ہے کہ مردہ کو سات بار مرنا پڑتا ہے، یہ موتیں ایک ایک ہفتہ کے وقفہ کے بعد آتی ہیں، پہلی بار جب کوئی مرتا ہے تو تجہیز و تکفین کے بعد اس کی لاش دفن کردیجاتی ہے یا جلا دیجاتی ہے، لیکن اس کی روح گھر ہی میں رہ جاتی ہے، ساتویں روز وہ دوبارہ مرتا ہے، چودھویں روز پھر مرتا ہے، اسی طرح سات ہفتہ تک ہفتہ وار مرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ساتویں موت کے بعد

وہ اس دنیا سے بالکل رخصت ہو جاتا ہے،

آیندہ زندگی مین روح کی مسرت کے لیے متوفی کے پسماندون کی دعائین اور نذرین بہت مؤثر خیال کیجاتی ہین، ساتوین موت کے بعد ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد یا عورت، یا کسی جانور، چڑئے یا کیڑے کی شکل مین پھر پیدا ہو، ان مین سے جس شکل مین بھی وہ دوبارہ آئے اس کے اہل خاندان اور احباب کی دعائین اور عبادتین اس کی روح کو مسرور کرتی ہین، اگر اس کی دوسری زندگی تکلیف و مصیبت کی زندگی ہے، تو یہ دعائین اور عبادتین اُس تکلیف و مصیبت کو دور کرکے ایک بہتر حالت پیدا کردیتی ہین،

(بمبئی کرانکل، ہفتہ وار)

"ع ز"

الفاروق

یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت، صحابہؓ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام و مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولنا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائیٹل، ضخامت ۶۱۲ صفحے قیمت للعہ،

"منیجر"

اخبار علمیہ

چین کی خفیہ انجمنین

اسٹیٹسمین کی ایک قریبی اشاعت مین مسٹر سملے روڈس (Semley Rhodes) کا جو حال مین چین سے واپس آئے ہین ایک مضمون شائع ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان خفیہ انجمنین کس کثرت سے ہین اور کتنا اثر رکھتی ہین، مسٹر روڈس کا بیان ہے کہ چین مین سیکڑون ہزارون خفیہ انجمنین ہین جو بڑے بڑے شہرون سے لیکر چھوٹے چھوٹے دیہاتون تک تمام ملک مین پھیلی ہوئی ہین اور چین وجاپان کی موجودہ جنگ مین حصے لے رہی ہین ان انجمنون کے اراکین کی تعداد لاکھون سے متجاوز ہے، ان مین سے بعض انجمنین خالص حربی ہین، بعض خالص سیاسی، اور بعض محض تجارتی، لیکن یہ سب نہایت طاقتور ہین اور انکی خفیہ شاخین ایسے مقامات مین پھیلی ہوئی ہین جہان ان کے وجود کا شبہہ بھی نہین ہوتا، ان انجمنون کی وسعتِ رکنیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ہونان (Honan) کے ایک صوبہ مین ایک انجمن کے جسکا نام "سرخ نیزے" ("Red Lances") ہے ممبرون کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ ہے، انجمن کے داخلہ کی تقریب عجیب وغریب رسمون کے ساتھ برتی جاتی ہے، اور ممبرون کو پورا یقین ہوتا ہے کہ ان رسوم کی ادائگی کے بعد وہ ہر طرح کے خطرون سے بالکل محفوظ ہو جائینگے، یہ لوگ گنڈے اور تعویذ پہنتے ہین اور دل سے اس بات پر یقین رکھتے ہین کہ ان چیزون کے استعمال سے گولی اور برچھی کا اثر نہ ہوگا، ظاہر ہے کہ اپنی حفاظت کا ایسا پختہ یقین ان پانچ لاکھ آدمیون کی شجاعت و دلیری پر کتنا زبردست اثر ڈالتا ہوگا، ایسی انجمنین ملک کے ہر گوشہ مین پھیلی ہوئی ہین اور اپنے اپنے مقاصد کے ماتحت کام کر رہی ہین، لیکن ایسے

اوقات بھی ہوتے ہین جب یہ سب کسی ایک مشترک مقصد کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہین، اور اگر چین کی موجودہ حالت مین تمام انجمنین متفقہ طور پر ملک کی مدد کے لیے تیار ہو جائین تو پھر دنیا دیکھ لیگی کہ جو اتحاد وہان کئی پشتون سے مفقود تھا اس کے رونما ہونے کا وقت بہت قریب آگیا ہے،

ہلاکت آفرینی کا ایک جدید شاہکار،

مسٹر لسٹر بارلو (Lester P. Barlow) امریکہ کے مشہور انجنیر نے گولہ باری کی ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جس کی ہلاکت آفرینی کے سامنے بڑے سے بڑے آلات حرب کی بھی کچھ وقعت نہ رہ جائے گی، اگر موجد کا دعوی صحیح ہے تو اس مشین سے ایک ہزار میل تک کے تمام شہر اور انکی آبادیان چوبیس گھنٹے کے اندر نیست و نابود کر دیجا سکتی ہین، یہ پے در پے پندرہ ہزار گولے برسا سکتی ہے اور ہر گولہ مین دو سو پونڈ (تقریبًا ڈھائی من) آتش انداز گیس ہوتی ہے، یہ ریڈیو کے ذریعہ سے چلائی جاتی ہے، اور اسکی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ اس کے چلانے والے جنکی مجموعی تعداد پانچہزار ہے خود خطرہ سے بالکل محفوظ رہتے ہین، یہ ایجاد امریکہ کے چار ممبران سینٹ کے سامنے جنسے رازداری کا حلف لے لیا گیا ہے پیش کیجائیگی، اس کے قابل عمل ہونے مین موجد کو ذرا بھی شبہہ نہین ہے، کیونکہ اس نے پورے طور پر تجربہ کر لیا ہے اور اب صرف اسی قدر رہ گیا ہے کہ کانگرس خود اس کا ملاحظہ کرلے،

موت و ہلاکت کا یہ بے نظیر آلہ جو قیامت برپا کر سکتا ہے اس کا اندازہ سطور بالا سے ہوگا، لیکن اس قیامت پر قیامت یہ ہے کہ خود صاحب ایجاد کے نزدیک اس کا مقصد جدال و قتال نہین بلکہ صلح و امن ہے، چنانچہ فرماتے ہین، کہ "مین جنگ کو ختم کر دینا چاہتا ہون اور میری ایجاد اسے ختم کر دے گی، مین اپنی ایجاد کا انعام دولت یا عزت کی شکل مین نہین چاہتا، میرا انعام صرف یہ ہوگا، کہ تمام دنیا مین امن قائم ہو جائے"۔ ظاہر ہے کہ "جو دعظ" اس طرح "دہان توپ" سے کہا جائے گا اس کے اثر سے کون انکار کر سکتا ہے؟

ماہتاب تک سفر چھ روز مین

پروفیسر جوان اسٹورٹ (John Q. Stewart) پرنسٹن یونیورسٹی نے کتاب "موجودہ سائنس

(Science Today) کے ایک مقالہ میں بیان کیا ہے کہ سو برس کے عرصہ میں ہمارے بعد آنے والی نسلیں ماہتاب تک سفر کرنے لگیں گی، پروفیسر موصوف پیشین گوئی کرتے ہیں کہ ۲۰۵۰ء سے قبل یہ سفر ایسے طیارون مین جو بان کے زور سے اڑینگے تقریباً چھ روز مین طے ہو جائیگا، اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسا طیارہ بنایا جائے جو کئی میل فی سکنڈ کی رفتار سے پرواز کرے، موجودہ ہوائی جہازوں کی ترقی رفتار اگر جاری رہی تو پروفیسر اسٹورٹ کا خیال ہو کہ ماہتاب کے سفر مین جو مشکلین بھی پیش آئینگی سائنس انھین حل کریگی، چنانچہ وہ لکھتے ہین، "جہان تک معلوم ہے زمین سے ماہتاب تک سفر کے لیے "آسمانی بان" (Sky rocket) ہی کی تدبیر واحد موزون تدبیر ہے، اسمین شبہ نہین کہ آیندہ دس بیس برس کے اندر ایسی پرواز ناممکن ہے، ایک بڑی دقت یہ ہے کہ اس کے لیے انجن مین جتنی زیادہ طاقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے وہ کسی معلوم گیس سے حاصل نہین ہوتی، ایسی طاقت پیدا کرنے والے گیس کی تیاری معمولی انجنیری کی استعداد سے باہر ہے، اس کے لیے علم طبیعیات مین بنیادی تحقیقات کی ضرورت ہے"، جو جہاز اس سفر کے لیے تیار کیا جائے گا اس کے مصارف کا تخمینہ پروفیسر موصوف نے دو ارب ڈالر لگایا ہے، لیکن ہمارے پروفیسر کی پرواز ماہتاب ہی تک ختم نہین ہو جاتی، ان کا خیال ہے کہ یہ تو صرف "ایک قدم" اور ایک ابتدائی منزل ہے اس "فلک پیمائی" کی جو انسانی حوصلہ سے ظہور پذیر ہونے والی ہے،

شہتوت کے درخت سے کاغذ کی ایجاد

جاپان میگزین کی اطلاع ہے کہ ڈاکٹر کاواس (Kawase) پروفیسر زراعت امپیریل یونیورسٹی ٹوکیو (جاپان) نے شہتوت کے درخت سے کاغذ تیار کر لیا ہے، پروفیسر موصوف کا بیان ہے کہ اس سے قبل ہی جاپان مین شہتوت کے درخت کی چھال کاغذ بنانے مین استعمال کیجاتی تھی، لیکن چھال کو درخت سے علحدہ کرنے مین بہت دقت پیش آتی تھی اور وقت بھی زیادہ صرف ہوتا تھا، یہی باتین اسکی کامیابی مین ایک بڑی حد تک مانع تھین، ڈاکٹر کاواس نے ان مشکلات کو پیش نظر رکھکر نہ صرف چھال کو استعمال کیا بلکہ درخت کے تنے اور شاخون سے بھی کاغذ بنانے مین کامیابی حاصل کر لی ہے، یہ کاغذ بہت چمڑا اور مضبوط ہوتا ہے اور اگرچہ ابھی بالکل سفید

نہین ہوتا تاہم اُمید ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد نہایت سفید بھی تیار ہونے لگے گا، اس وقت اس پر اعلیٰ درجہ کی طباعت بھی ہوسکیگی اور جاپانی طباعت مین ایک نادر تجدید و اصلاح ہوجائیگی،

قدیم رومن مختصر نویسی،

حال کے ایک اثری اکتشاف سے معلوم ہوا ہے کہ موجودہ مختصر نویسی دراصل قدیم رومیون کی ایجاد ہے جینو میلسینو (Gino Mazzano) نے ایک فاضلانہ مقالہ مین ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح سے دو سو سال قبل مختصر نویسی رومیون مین کثرت سے رائج تھی، سلطنت رومہ کی تباہی کے بعد اس فن کا استعمال جاتا رہا، لیکن زمانہ حال کی تجارتی ضرورتون نے اسے پھر زندہ کیا، جینو میلسینو نے تحقیق کرکے رومن مختصر نویسی کے تمام حروف تہجی معلوم کئے ہین، یہ حروف موجودہ مختصر نویسی کے حروف سے بہت کچھ ملتے جلتے ہین، حضرت مسیح سے کئی صدی قبل جب رومہ کی سلطنت دنیا کے ہر حصے مین پھیل رہی تھی سرعت تحریر کی ضرورتون نے یہ فن ایجاد کیا تھا، اور رومن تجارتی کمپنیون نے اسے استعمال کرنا شروع کردیا، قدیم تحریرون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کمپنیون کے اکثر حسابات و خطوط انہی مختصر حروف مین ہوتے تھے،

پوپ کی خدمت مین چند نادر ہدایا،

جماعت فرینسسکن سسٹرس آف میری (Franciscan Sisters of Mary) کی "مادر عظمیٰ" (MOTHER GENERAL) نے پوپ کی خدمت مین اُنکی ایک تصویر پیش کی ہے جو چاول کے ایک دانہ پر کندہ ہے اور اسقدر چھوٹی ہے کہ صرف خوردبین کی مدد سے نظر آسکتی ہے، یہ تصویر چین کے ایک نو عیسائی مصور کے کمال فن کا نمونہ اور اس کے جوش عقیدت کا نتیجہ ہے، اسکے علاوہ جاپان کے ایک معتقد نے ایک ریشمی کپڑا بھیجا ہے جسے خود ریشم کے کیڑون نے بنا ہے، یہ کیڑے ایک لمبے چوڑے میز پر رکھدیئے گئے تھے اور جب انھون نے ریشم کا تنا شروع کیا تو انھین ایک لکڑی کے ذریعہ سے اسطرح حرکت کرنے پر مجبور کیا گیا کہ ساتھ ہی ساتھ کپڑا بھی بنتا گیا، دوسرے ہدایا یہ ہین: ۔ ٹھوس آبنوس کے آٹھ ہاتھی، اناناس کے ریشون سے بنا ہوا نفیس رردوزی کا کام جو جزیرہ فلپائن کی صنعت ہے اور تبت کا ایک ناقوس جس سے بودہ مذہب والون کو مذہبی رسوم کی طرف بلایا جاتا تھا، "ع ز"

ادبیات

نالۂ شبانۂ مزمل

از جناب نواب سر محمد مزمل اللہ خان بالقابہ سابق وزیر داخلیہ صوبہائے متحدہ

جناب نواب سر محمد مزمل اللہ خان، بالقابہ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے جو خوبیاں ودیعت رکھی ہیں ان کا علم وقتاً فوقتاً اہل ملک کو ہوتا رہا ہے، مگر اس کی خبر شاید بہت کم لوگوں کو ہو کہ موصوف کو فارسی شاعری سے اس حد تک لگاؤ اور مناسبت ہے کہ وہ خاصی ضخامت کے ایک فارسی دیوان کے مالک ہیں جس میں قصائد، غزلیات اور رباعیات سب کچھ ہیں، ابھی حال کی ایک ملاقات میں انھوں نے اپنا فارسی دیوان دکھایا، اور جستہ جستہ اپنا کلام سنایا، اس لطفِ سخن سے ناظرین معارف کو بھی متمتع کرنے کی غرض سے، ذیل میں ایک قصیدہ وقف اشاعت کیا جاتا ہے،

اے دوستان سرے بہ پریشان خیالیم	گوشے خدائے را بہ بیانِ ملالیم
یکچند بیش نیست کہ تا شعر گفتہ ام	ہرگز نہ کہنہ مشقم و نے دیر سالیم
حاشا کہ لافِ شعر و بلاغت مرا سزد	فردوسیم نہ سعدیم و نے ھلالیم
گستاخم ار مثال نہ پیشینیان زنم	بااللہ کہ من نہ شبلی و نہ داغم نہ حالیم
من کیستم چہ کارہ ام تا چہ بودہ ام	حیرانم از خرابی و آشفتہ حالیم
نے پیشوائے خلقم و نے مقتدای قوم	نے فخر رازیم نہ امام غزالیم
نے رندِ میگسارم تا ہائے و ہو کنم	نے محتسب کہ مست کند گوشمالیم
نے زاھدم کہ سبحہ و سجادہ آورم	نے صوفیم کہ سر بود از حال و قالیم

نے تیر گرسنہ کہ زآزار خلق سیر | آمادۂ فریب نہ چون شیر قالیم
نے چون جناب شیخ مشیخت مآب تند | نے بے وقار و مبتذل و لااُبالیم
نے پُر چو بطن زاہدم از خوان اغنیا | نے گوش خلق کر کنم و کوس خالیم
نے مُدّعیِ جاہم و نے مدعائے خلق | نے تنگ دستم و نہ چو سرکار عالیم
نے شکوہ از جہالت و نافہمی بود | نے فخر بر سخنوری و خوش مقالیم
بیچارہ سر بجیب ندامت فگندہ ام | بارِ گناہ بر سر و جان انفعالیم
از دست بردِ نفس عجب پا شکستہ ام | بیزار از حیاتم و از جان ملالیم
چوگان نفس گوئے دلم را بضرب تند | گاہے جنوبیم کند و گہ شمالیم
دیو لعین نفس مرا کردہ سحر بند | لے ولے او مقدّم و من ہیچ تالیم
اے رحمت تمام جہان رحمتے بمن | للہ دارو ئے پئے آشفتہ حالیم
تا چند سر بپائے خآن خم کنم بعجز | یا مصطفےٰ اخلاص کن از پائے مالیم
مُز بلا! کلیم تو مطبوعِ احمدؐ است | حاشا کہ حاجتے بود از شال و قالیم

نالۂ حسرت

از سید الشعرا فضل الحسن حسرت موہانی،

کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد سی نخوت کے سوا | شغل بے کار ہین سب انکی محبت کے سوا
حشر مین تاب جہنم سے مفر اور کہان | اہلِ عصیان کو ترے سایۂ رحمت کے سوا
علم و حکمت کا جنھین شوق ہو آئین نہ ادھر | کچھ نہین فلسفۂ عشق مین حیرت کے سوا
سب سے منہ موڑ کے راضی ہین تری یاد سے ہم | اس مین اک شانِ فراغت بھی ہے راحت کے سوا
عقل حیران ہی اے جانِ جہان، راز ترا، | کون سمجھے دلِ دیوانۂ حسرت کے سوا

آثارِ عتیقہ

آرکاٹ کا گورِ غریبان

"شمالی مدراس مین آرکاٹ کی اسلامی ریاست نے گو کوئی بڑی عمر نہین پائی، تاہم اس دور دراز خطۂ ہند مین اسلامی علوم و فنون و تمدن کی ترقی مین اس نے اچھا خاصہ حصہ لیا، مولنا عبد العلی بحر العلوم جس درسگاہ کے مدرس اعظم ہون، اسکی عظمت و جلال کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے، فارسی اور اردو کے بہت سے شعراء، اور علماء و فضلاء کی بہت بڑی تعداد اس کے سایہ مین آرام کرتی تھی، مگر بالآخر انگریزون اور فرانسیسیون کی جنگ مین وہ بالکل برباد ہوگئی،

۲- اکتوبر ۱۹۲۷ء کو جب مین مدراس کے سفر مین تھا آرکاٹ کی زیارت کو گیا، دیکھکر افسوس ہوا کہ اس عظیم الشان دار الامارت مین اب صرف کھنڈرون کی چند چار دیوارین کے سوا کچھ نہین، کہین ایک دو مسجدون کا نشان ہے کہین ایک دو قبرون کا، یا ادھر ادھر چند ٹوٹی پھوٹی دیوارین ہین،

بہرحال اس کے گورِ غریبان مین صرف دو مسافرون کی قبرین ایسی نظر آئین، جن پر کتبہ تھا، ان مین سے ایک پر سعادت اللہ خان کا نام تھا، اور دوسری پر تلمسان واقعہ شمالی افریقہ کے قاضی کا،

اتحاد اسلامی کے اس عظیم الشان منظر پر ذرا عبرت کی نگاہ ڈالو کہ کہان شمالی افریقہ کا دور ترین شہر تلمسان، اور کہان شمالی ہندوستان کی دور ترین آبادی، آرکاٹ! اور پھر مسلمانون کی اس

علمی دشت نوردی کے ذوق و شوق کو دیکھو کہ وہ کبھی تلمسان سے چل کر آرکاٹ کے کھنڈروں میں آکر دم لیتے تھے، سچ ہے،

ہیچگہ ذوقِ طلب از جستجو باز م نہ داشت
دانہ می چیدم من آن روزے کہ خرمن داشتم

"سلیمان"

مقبرۂ آرکاٹ کا پہلا کتبہ

ابر رحمت سعادت اللہ خان | آنکہ او بُد درین زمانہ ولی
گفت سالِ وفاتِ او ہاتف | یافت جنت زبندگی علی

۱۱۳۶ھ

دوسرا کتبہ

رحلت قاضی شیخ محمد تلمسانی

تلمسانی کہ سینہ اش در علم | ہمچو بحرِ محیط می زد جوش
علم او بود با عمل مقرون | عملش با خلوص ہم آغوش
وا دریغا کہ شد زِ صرصرِ مرگ | شمعِ جانِ منوّرش خاموش

خواستم سالِ رحلتش از عقل
رضی اللہ عنہ گفت سروش

سنہ ۱۲۰۸

صراطِ مستقیم، مترجمہ مولنا عبدالرزاق ملیح آبادی، حجم ۲۳۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت ۸؍ پتہ:- ہند بک ایجنسی نمبر ۲۰۴ نیو سرکلر روڈ کلکتہ،

مولنا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے سلسلہ تالیفات کو اردو مین منتقل کرنے کی جو مفید خدمت انجام دے رہے ہین، اس سلسلہ کی جدید کڑی "صراط مستقیم" ہے، یہ شیخ الاسلام کی جلیل القدر کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم فی مجانبۃ اصحاب الجحیم" کا ایک ملخص ترجمہ ہے، اس کتاب کا موضوع اگرچہ کفار کے مذہبی تہوارون وغیرہ مین مسلمانون کی شرکت کے عدم جواز کو دکھانا ہے، لیکن اسی سلسلہ مین شیخ الاسلام نے اپنی تحریک ردّ بدعت کے مباحث بھی بہ تفصیل درج کئے ہین، جنہین نذر و نیاز، عرس، اور قبر پرستی وغیرہ پر اسلامی تعلیمات کے روسے روشنی ڈالی گئی ہے، مترجم نے ابتدا مین ایک دیباچہ اور جابجا اپنے حواشی لکھ کر کتاب کو دور حاضر کی ضروریات کے مطابق بنا دیا ہے، لیکن اس موقع پر ہمین افسوس سے یہ بھی کہنا پڑتا ہے، کہ جس طرح دور حاضر مین علمائے سوٗ اور متصوفین افراط و تفریط مین پڑکر صراط مستقیم سے الگ ہو رہے ہین، اسی طرح ہمارے دور حاضر کے صلاح کارانِ اُمت بھی جادۂ اعتدال پر قائم نظر نہین آتے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمین مترجم کے دیباچہ کے بعض اجزا اور بعض حواشی سے اتفاق نہین ہے،

مواعظ از نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی، حجم ۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۱؍ پتہ:- انجمن اسلامیہ جڑچرلہ محبوب نگر (دکن)

نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی نے اپنے زمانۂ قیام حیدرآباد مین بعض

اسلامی انجمنوں میں مواعظ بیان فرماتے تھے، انھی کے خلاصے رسالہ کی شکل میں "مواعظ" کے نام سے شائع کئے گئے ہیں۔

آداب والدین از جناب حاجی محمد خلیل صاحب انصاری مہتمم صدر دفتر ریاست جاورہ

ناشر انجمن رفیق الاسلام گوڑگانوہ (پنجاب) حجم ۲۴ صفحے تقطیع مختصر لکھائی چھپائی ناقص۔

انجمن رفیق الاسلام گوڑگانوہ (پنجاب) وقتاً فوقتاً مختصر رسالے شائع کرکے ان کو مسلمانوں میں مفت تقسیم کرتی ہے، اس رسالہ میں مسلمانوں کو والدین کے حقوق بتائے گئے ہیں، محصول ڈاک بھیجکر انجمن سے مفت طلب کیا جاسکتا ہے۔

نیچریت ترجمہ مقالہ مرحوم سید جمال الدین افغانی از مولوی عبد الحنان صاحب ناشر منیجر کتبخانہ

صفیہ لاہور، حجم ۴۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت ۶؍

آج تیس چالیس برس پیشتر جب مسلمانان ہند کے خیالات، معتقدات اور تعلیمات میں اصلاح کا دور جاری تھا، تجدید پسند جماعتوں کو "نیچری" اور ان کے معتقدات کو "نیچریت" سے موسوم کرنے لگے تھے، لیکن جہاں ان الفاظ کا جا و بیجا استعمال ہو رہا تھا، وہاں یہ بھی حقیقت تھی کہ ایک جماعت یورپ کی مادہ پرستی کی تقلید میں اپنے جادۂ اعتدال پر قائم نہیں رہی تھی، اور یہ حالت نہ صرف ہندوستان بلکہ عام عالم اسلامی کی تھی، علامہ سید جمال الدین افغانی نے اسی مؤخر الذکر جماعت کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، اور عالم اسلامی میں اپنی تحریک اصلاح و تجدید سے اس بے راہروی کو روکا، پیش نظر رسالہ "نیچریت" انھی اصلاحی کوششوں کی ایک کڑی ہے، رسالہ میں اولاً عہد قدیم سے مادہ پرستی کے ظہور و نتائج کو دکھایا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں "مادہ پرستی کی ابتدا"، "اجتماع انسانی کے ضروریات ستہ" اور "نیچریت سے تمدن کی تباہی" بیان کی ہے، پھر مختلف ممالک یونان، فارس، فرانس، اور ترکی میں نیچریوں کی تباہ کاریاں دکھائی گئی ہیں، اور آخر میں "نیچریوں کے موجودہ فرقے" کے زیر عنوان اپنے عہد کے خیالات پر روشنی ڈالی ہے، دور حاضر میں جب کہ یہی نیچریت یورپ زدگی و مغرب پرستی کے رنگ میں نمایاں ہو رہی ہے، ضرورت ہے کہ اس رسالہ کی عام طور پر اشاعت کیجائے،

حالات حضرت جان اللہ شاہ از مولوی محمد عبد الوہاب صاحب عندلیب،

حجم ۲۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی ناقص، قیمت درج نہین، پتہ:- دفتر رسالہ واعظ حیدرآباد، دکن،

حضرت جان اللہ شاہ رحمۃ اللہ متوفی ۱۱۹۲ھ اپنے عہد مین سلسلۂ قادریہ کے باکمال مشائخ مین تھے، مولوی عبدالوہاب صاحب عندلیب نے نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی کے ارشاد کے مطابق کتاب مرأۃ الجمال کے قلمی نسخہ سے موصوف کے حالات زندگی اخذ کرکے اردو مین مرتب کئے ہین،

تاریخ امریکہ، از مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا بی اے ال ال بی، وکیل غازی آباد، حجم ۲۷۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت:- ۶عہ، پتہ:- منیجر صاحب دار الاشاعت غازی آباد،

اردو مین امریکہ کی یہ پہلی مستقل تاریخ ہے، جو اوّلاً مسلسل رسالہ الناظر لکھنؤ مین شائع ہوئی تھی، اور اب کتابی شکل مین مطبع سے نکلی ہے، مصنف نے اس مین اس کو انگریزی کی مستند کتابون سے مرتب کیا ہے، لیکن طرز ادا اور زبان مین تالیف کے بجاے ترجمہ کا رنگ زیادہ نمایان ہے، کتاب بیس ابواب مین تقسیم ہے، کتاب کی ابتدا "دریافت کنندگان امریکہ" سے ہوتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس سلسلہ مین مرتب نے ایسی بہت سی جدید تحقیقات کو نظرانداز کردیا ہے جو "امریکہ اور کولمبس" سے پہلے کی کڑیان ہین، اور جنھین اب یورپ کے حلقون مین مستند تسلیم کرلیا گیا ہے، علاوہ ازین کتاب کے تمام مباحث صرف وہان کے جغرافی و سیاسی حالات پر مشتمل ہین، ضرورت تھی کہ آخر کے چند ابواب مین امریکہ کی تمدنی ترقیون کا مرقع بھی کھینچا جاتا کہ اگر امریکہ اپنے دریافت ہونے کے زمانہ مین جغرافی حیثیت سے دنیا کی دلچسپی کا مرکز بنا رہا، اور پھر اسکی آزادی کی جدوجہد کے دور مین اگر اس کو سیاسی اہمیت حاصل رہی، تو اب کے موجودہ دور مین اسکی تمدنی ترقی اور اقتصادی مرفہ الحالی کو لوگ جائزہ کی نگاہ سے دیکھ رہے ہین، تاہم ہندوستان کی موجودہ سیاسی کشمکش کے دور مین ضرورت ہے کہ اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھایا جائے، کہ اس وقت ہندوستان کو امریکہ کے اسی سیاسی دور سے زیادہ گہری وابستگی ہے،

منتخبات ہندی کلام، مرتبہ جناب ڈاکٹر جعفر حسن صاحب پی ایچ ڈی، (ہائیڈلبرگ) استاذ معاشیات و عمرانیات جامعہ عثمانیہ، ناشر دی حیدرآباد بک ڈپو، چادرگھاٹ حیدرآباد، حجم ۲۲۵ صفحے،

تقطیع ۲۰×۲۶، کاغذ نفیس، لکھائی چھپائی ناقص، قیمت مجلد عہ

ڈاکٹر جعفر حسن صاحب، پی ایچ ڈی نے ہندی شاعری کو اردو دان طبقہ میں روشناس کرنے کے لئے منتخبات ہندی کلام کے نام سے ہندی شاعری کا انتخاب شائع کیا ہے، مجموعہ کی ابتدا میں ایک بسیط مقدمہ ہے، جسمین ہندی شاعری کی خصوصیات دکھائی ہین، اور پھر اردو دان طبقہ کو اس کی طرف مائل کرنا چاہا ہے، اسی سلسلہ مین اردو مین ہندی پر جو کچھ لکھا گیا ہے، مرتب نے اس کا بھی جائزہ لیا ہے، یہ فہرست سرسری مطالعہ سے ناقص نظر آتی ہے، اور اس موضوع پر بعض اہم مضامین اور کتابین جو اس سے پہلے نکل چکے ہین، اس فہرست مین موجود نہین ہین، مجموعہ چند ابواب "ہندی جذبات عالیہ" "فلسفیانہ مسائل" "عاشقانہ تخیلات" اور "عشقیہ دوہے" پر مشتمل ہے، مرتب نے اولاً ایک ایک شعر یا ایک ایک دوہے کو اصل ہندی مین نقل کیا ہے، پھر اس کو اردو رسم الخط مین منتقل کیا ہے، پھر مشکل الفاظ کی تشریح کی ہے، پھر ترجمہ اور اس کے بعد شعر کی تشریح درج کیگئی ہے، یہی ترتیب اکثر جگہ نظر آتی ہے، لیکن کہین صرف ترجمہ پر اور کہین صرف تشریح پر اکتفا کیا گیا ہے، اکثر دوہے دلچسپ ہین، لیکن کہین کہین ان کی تشریح مین غیر ضروری تفصیل سے کام لیا گیا ہے، اور ہر دوہے پر ایک نئی تمہید اٹھا کر اس مین ایک طویل عمرانی و معاشی و فلسفیانہ موشگافیون کی کوشش کیگئی ہے، مثلاً ص ۵۵ تا ۶۰، ۶۲ تا ۶۶، ۷۵ تا ۷۷، اور ۷۷ تا ۸۱ وغیرہ) اگر دوہون کے بامعنی مطلب خیز ترجمہ اور ضروری تشریح پر اکتفا کیا جاتا، تو اس مجموعہ مین زیادہ منتخب کلام نظر آتا، لیکن اسی کے ساتھ کہین کہین نہایت لطیف، دلچسپ، اور پر کیف معنی آفرینیان نظر آتی ہین، اور معنی اور تشریح سے دوہے کی لطافت مین اضافہ ہو جاتا ہے، بہرحال یہ مجموعہ، مجموعی حیثیت سے قابل قدر ہے، اور ضرورت ہے کہ اسی رنگ مین ہندی شاعری کو اردو دان طبقہ کے سامنے پیش کیا جائے،

انتخاب حسرت، مرتبہ جناب جلیل احمد صاحب قدوائی بی اے علیگ، ناشر مکتبۂ جامعۂ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی، حجم ۱۵۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت عہ

سید الشعراء فضل الحسن حسرت موہانی دور حاضر کے جدید طرز غزل گوئی کے بانی کہے جاتے ہین، ان کا دیوان

سات آٹھ حصون مین وقتاً فوقتاً شایع ہوتا رہا ہے، جناب جلیل احمد صاحب قدوائی بی اے علیگ شکریہ کے مستحق ہین، کہ ہشت دفتر سے انتخاب کرکے "انتخاب حسرت" کے نام سے ایک مختصر مجموعہ تیار کیا ہے، مجموعہ کی ابتدا مین مرتب کا ایک مقدمہ ہے، جسمین حسرت کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے،

کھیتی، از جناب محمد مجیب صاحب بی اے (آکس) پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی حجم ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۶ر پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی،

"کھیتی" ایک اجتماعی و اصلاحی ڈراما ہے، جسمین مسلمانون کے دور حاضر کی اجتماعی زندگی دکھائی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح شہر کے خودغرض لیڈر اپنے ذاتی نام و نمود اور مفاد و مقاصد کے لیے مسلمون اور غیر مسلمون کے درمیان فسادات کی تخم ریزی کرتے ہین، اور شہر کے ناکارہ مسلمان ان کے علم کے نیچے آجاتے ہین، اور قومی زندگی کی عمارت کو مسمار کرتے ہین، اور اس کے بالمقابل اسی ڈرامے مین ایک گریجویٹ کی دوسری سیرت دکھائی گئی ہے، جو شہر کی مکدر فضا سے نکل کر دیہات کی پرسکون زندگی اختیار کرتا ہے، اور وہان کھیتی باڑی مین مصروف ہوتا ہے اور دیہات کی معاشرتی و اجتماعی اصلاح کرتا ہے، اور پھر شہر کی وہی ناکارہ جماعت جو وہان کے لیڈرون کا آلہ کار تھی، اسی دیہات مین پہنچکر مفید تعمیری زندگی مین مصروف ہوجاتی ہے، ڈراما اپنے رنگ مین کامیاب ہے، عام مسلمانون مین اس کی اشاعت کی ضرورت ہے،

اساس منطق، از مولوی سید ابوسعید عبدالقدوس صاحب بہاری، مدرس مدرسہ عالیہ مصباح العلوم الہ آباد، حجم ۵۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اوسط درجہ اور لکھائی چھپائی معمولی، قیمت ۶ر پتہ:- جناب سید رکن الدین عالم صاحب مدرسہ عالیہ مصباح العلوم الہ آباد،

"اساس منطق" مین منطق کے مسائل کو عام فہم زبان مین چھوٹے بچون کے لیے مرتب کیا گیا ہے، طرز بیان مین سلاست و روانی کی زیادہ ضرورت تھی، رسالہ کی ترتیب عام منطقی کتابون کی ترتیب پر ہے، اصطلاحات و مسائل کی تشریح مین مثالین اردو کی دیگئی ہین، اور ہر بیان کے ختم پر مشقون کے ذریعہ مسائل کے مستحضر کرنے کی

کوشش کی گئی ہے، یہ رسالہ منطق کی ابتدائی کتابین ایساغوجی، اور تہذیب وغیرہ پڑھنے والے طلبہ کے لیے بطور کلید کام دے سکتا ہے،

بچّون کا قاعدہ، مؤلفہ مولوی سید مختار احمد و مولوی ذہین صاحب، حجم ۲۴ صفحے، لکھائی چھپائی، بچون کے مناسب، قیمت درج نہین، ناشر مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن،

مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد نے یہ رسالہ بچون کے لیے مرتب کرایا ہے، جو حروف تہجی سے شروع ہوتا ہے، اور جدید طریقۂ تعلیم پر ترتیب پایا ہے، لیکن یہ رسالہ کی کوئی ایسی خصوصیت سمجھ مین نہین آئی، کہ بچے بچون مین سے خصوصیت کے ساتھ "بچون" کی طرف منسوب کیا جائے،

مخزنِ ادب، مؤلفہ جناب ڈاکٹر حافظ محمد عبدالرشید صاحب ایس ایس ایم اے ایل آئی جی، ناشر: ایجوکیشنل بک ہاؤس، سول لائن، علیگڈھ، حجم ۲۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت درج نہین ہے،

"مخزنِ ادب" انگریزی اسکولون کی ساتوین آٹھوین جماعتون کے معیار کے مطابق لکھی گئی ہے، رسالہ کی ترتیب مین سب سے زیادہ اہمیت خطوط نویسی کو دی گئی ہے، چنانچہ سب سے پہلا باب "خطوط نویسی" ہے جسمین اولاً خط نویسی کے آداب بتائے گئے ہین اور پھر مختلف خطوط بطور نمونہ درج کئے گئے ہین، اسکے بعد ایک مستقل باب "خط شکست" پر ہے جسمین اس کے قواعد بتا کر شکست رسم خط کے خطوط نقل کئے گئے ہین، اس کے بعد ایک باب "رقوم و دیگر مروجہ علامتین" ہے، اس مین ناپ اور تول اور ہندسہ کے اوزان و علامات درج کئے گئے ہین، پھر ملک کے مشاہیر ادب کے خطوط نقل کئے گئے ہین، اور اس کے بعد اردو کے ممتاز بلند پایہ اہل قلم کے مضامین کا انتخاب ہے، پھر حصہ نظم شروع ہے، جس کے آغاز مین اصناف کلام کا مختصر تعارف ہے، اور پھر ممتاز شعراء کے کلام کا انتخاب درج ہے، اگر رسالہ کی ترتیب مین مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا،

تصحیح، معارف ماہ جنوری ۱۹۳۲ء مین اردو رسالون کے تبصرہ مین ایک رسالہ کا نام "تیغ" کے بجائے "تبلیغ" چھپ گیا ہے، ناظرین تصحیح کر لین،

"م"